مظہر علی خاں ولاؔ

مادھونل اور کام کندلا

مُرتّبہ

ڈاکٹر عبادت بریلوی

حمد و ثنائے بے پایاں لائق اُس آفریدگار کے ہے کہ خالق کون و مکاں اور روزی رسان عالم و عالمیاں ہے - اور نعمت فراواں قابل اُس رسول کے کہ باعث تکوین تمام کائنات کا ہے - بعد اس کے اضعف العباد احقرالناس مظہر علی خاں ولا یہ قصہ مادھونل اور کام کندلا کا کہ زبان برج میں موتی رام کیشور نے کہا ہے، بہ موجب فرمائش جناب گلکرسٹ صاحب رام اقبالہ کے، بہ محاورۂ زبان اُردو بیان کرتا ہے -

مظہر علی خاں ولا

سلسلۂ مطبوعات اردو دنیا نمبر ۱۰

مادھونل اور کام کندلا

مولفہ
مظہر علی خاں ولاؔ

مرتبہ
ڈاکٹر عبادت بریلوی ، ایم - اے - پی - ایچ - ڈی
استاد شعبۂ اردو و ثقافت پاکستان
اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز
یونیورسٹی آف لندن

شائع کردہ
اُردو دُنیا ، کراچی ـ ۱

مادھونل اور کام کندلا

تالیف : مظہر علی خاں ولاؔ
ترتیب : ڈاکٹر عبادت بریلوی
مقدمہ : ڈاکٹر عبادت بریلوی
طباعت : رپن پرنٹنگ پریس لمیٹڈ، لاہور، پاکستان
نشر و اشاعت : اردو دنیا کراچی - ۱
تاریخ اشاعت : ۱۹۶۰ء
تعداد : ایک ہزار
قیمت : پانچ روپے

رپن پرنٹنگ پریس لمیٹڈ لاہور پاکستان میں باہتمام مرزا محمد صادق چھپوا کر
سعادت یار خاں نے اردو دنیا، آرام باغ روڈ، کراچی پاکستان سے شائع کیا۔

فهرست

صفحه

پیش لفظ ... ۵

مقدمه ... ۷

دیباچهٔ مولف ... ۱۹

آغاز داستان مادهونل و کام کنڈلا ... ۲۱

پیش لفظ

مظہر علی خاں ولا کی یہ تالیف (مادھونل اور کام کنڈلا[1]) دراصل موتی رام کبیشر کی برج بھاشا میں لکھی ہوئی کہانی سے ماخوذ ہے۔ ولا نے اس کو ڈاکٹر گل کرسٹ کی فرمائش پر ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں اردو کا جامہ پہنایا۔ چنانچہ حمد و نعت کے بعد دیباچے میں لکھتے ہیں:-

"--بعد اس کے اضعف العباد احقر الناس مظہر علی خاں متخلص بہ ولا یہ قصہ مادھونل اور کام کنڈلا کا، کہ زبان برج میں موتی رام کبیشر نے کہا ہے، بموجب فرمائش جناب گل کرسٹ صاحب دام اقبالہٗ کے بہ محاورۂ زبان اردو بیان کرتا ہے"[1]۔

اور آخر میں اس کی تکمیل کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:-

الحمد و للہ کہ یہ رنگین دلچسپ داستان تاریخ دسویں ذیقعدہ کی ۱۲۱۵ھ مطابق سنہ ۱۸۰۱ء میں مع دو تاریخ ھجری و عیسوی کے تمام ہوئی۔

ابیات ؎

جو کہتے ہوں باتیں بنا عشق کی | تو سنتے کہانی ذرا عشق کی
لکھی داستاں یہ ولا عشق کی | ہے رنگیں و مطبوع و دلکش تمام
کہی من لگن سب کتھا عشق کی | کہ تاریخ یہ ہے زروئے بیاں
ولا کہہ یہ آئی ندا عشق کی | ردیف و قوافی بدل اور بھی

جو اعداد تاریخ چاہے حبیب | سنہ عیسوی کے مطابق تمام
فسانہ ہے یکسر عجیب و غریب[2] | سر جہل کر دور اور دیکھ لے

۱- مادھونل اور کام کنڈلا (قلمی نسخہ برٹش میوزیم)
۲- ایضاً

اس سے قبل یہ کتاب کبھی شائع نہیں ہوئی۔ صرف ڈاکٹر گل کرسٹ نے اپنی بیاض ہندی میں اس کے کچھ اقتسابات چھاپے تھے۔ مولانا حامد حسن قادری داستان تاریخ اردو میں لکھتے ہیں۔

" مادھونل اور کام کنڈلا قدیم ہندی زبان کے قصہ (مصنفہ موتی رام کبیشر) کا اردو ترجمہ ہے۔ ولا نے ڈاکٹر گل کرسٹ کی فرمائش سے ۱۸۰۲ عیسوی میں مرتب کی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے انتخاب بیاض ہندی میں اس کا ایک حصہ چھاپا تھا۔ پوری کتاب نہیں چھپی "۔ ۱

مجھے اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کے شعبۂ مشرق کے کتب خانے میں ملا۔ یہ حسین علی کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر کتابت کی تاریخ درج نہیں ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۸۰۱ء کے آس پاس لکھا گیا ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر J. C. Haughton کے دستخط ہیں اور اس کے نیچے فروری ۱۸۱۸ء تاریخ درج ہے۔ غالباً یہ نسخہ بھی ہفت گلشن، کی طرح اسی شخص کی ملکیت تھا اور عرصے تک اس کے پاس رہا۔ برٹش میوزیم نے اس کو سرٹامس ریڈ مرحوم سے ۲۸ جنوری ۱۸۵۲ء کو خریدا۔ چنانچہ اس کے آخری صفحے پر انگریزی کی یہ عبارت ملتی ہے :—

Purchased of Sir Thomas Reade Late. 28 January 1852

چونکہ یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی، اور اس کے قلمی نسخے کا بھی بہت کم لوگوں کو علم ہے، اس لئے اس کو اب نئی ترتیب کے ساتھ مع ایک مقدمے کے شائع کیا جاتا ہے۔

شعبۂ اردو و ثقافت پاکستان
اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقین اسٹڈیز
یونیورسٹی آف لندن
۲۵ جنوری ۱۹٦۵ء

عبادت

۱۔ حامد حسن قادری : داستان تاریخ اردو ۱۱٦

مقدمہ

مظہر علی خاں ولا فورٹ ولیم کالج کے لکھنے والوں میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کا مرتبہ میر بہادر علی حسینی، میر امن دہلوی، سید حیدر بخش حیدری، مرزا علی لطف، مرزا کاظم علی جوان، میر شیر علی افسوس سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کے شاعر اور ایک بلند پایہ نثر نگار تھے۔ لیکن نہ تو اُن کا دیوان چھپا نہ وہ کتابیں شائع ہوئیں جو اُنھوں نے نثر میں لکھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کی ادبی دنیا میں ابھی تک اُن کا مرتبہ متعین نہیں ہوسکا ہے اور لوگ اُن کے صحیح مقام کو پہچان نہیں سکے ہیں۔

مصحفی، شیفتہ اور بینی نرائن جہاں نے اُن کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ یہ سب کے سب اُن کی عزت کرتے ہیں اور اُن کی اہمیت سے پوری طرح آشنا ہیں۔

مصحفی لکھتے ہیں:—

”مظہر علی خاں ولا تخلص عرف مرزا لطف علی خلف سلیمان علی خاں وداد، جوان حلیم و سلیم بہ مقتضائے موزونیٔ طبع گاہ گاہے خیال شعر ہندی می کند و بہ نام پدر بزرگوار خود ہر جا فروختہ می شود۔ استفادۂ شعرش چندے بہ مرزا جان طپش و چندے بہ مولف بود۔ حالا بہ میر نظام الدین ممنون کلام خود را می نماید۔“[1]

شیفتہ نے لکھا ہے:—

”ولا تخلص مظہر علی خاں فرزند سلیمان علی خاں وداد کہ از

۱- مصحفی: تذکرہ ہندی ۲۶۶

شعرائے مشہور پارسی است ۔ نسبت تلمذ وے بہ میر نظام الدین ممنون کردہ اند ۔ "[1]

اور بینی نرائن جہاں نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے :۔

ولا تخلص ، نام مرزا لطف علی خاں عرف مظہر علی خاں خلف سلیمان علی خاں عرف مرزا محمد زماں وداد ابن محمد حسین بہ خطاب علی قلی خاں ، دلی کے رہنے والے ہمیشہ عمدہ روزگار رہے ۔ بالفعل کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں اور اس خاکسار پر نہایت مہربانی فرماتے ہیں "۔[2]

افسوس ہے مظہر علی خاں ولا کے حالات کہیں تفصیل سے نہیں ملتے ۔ جن لکھنے والوں نے اُن کے حالات لکھے ہیں اُن سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دلی کے رہنے والے تھے ۔ انھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ کلکتہ میں گذارا اور یہیں تصنیف و تالیف کا کام کیا ۔ انہیں شاعری سے دلچسپی تھی ۔ وہ مصحفی اور ممنون کے شاگرد تھے ۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ شاعری کا یہ شوق اُنہیں ورثے میں ملا تھا ۔ اُن کے والد سلیمان علی خاں وداد بھی اپنے زمانے کے مشہور شاعر تھے ۔ ولا کی تعلیم اچھے ماحول میں ہوئی اور اُنھوں نے عربی ، فارسی ، سنسکرت اور ھندی میں مہارت حاصل کی ۔ جب فورٹ ولیم کالج قائم ہوا تو وہ بھی لکھنؤ سے کلکتہ چلے گئے اور وہاں ڈاکٹر گل کرسٹ کی فرمائش پر تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے ۔ اُن کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا صحیح علم نہیں ۔ بینی نرائن جہاں کے تذکرے سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ

۱۔ شیفتہ : گلشن بے خار : ۲۳۷

۲۔ بینی نرائن جہاں : دیوان جہاں : ۲۰۸

۱۸۱۴ء تک زندہ تھے اور کلکتہ میں مقیم تھے۔

ولا نے اپنے آپ کو خود بھی شاعر کہا ہے۔ 'ھفت گلشن' کے دیباچے میں لکھتے ھیں:—

"مظہر علی خاں شاعر کہ ولا جس کا تخلص ہے، واسطے سمجھنے اور سیکھنے نو آموز صاحبوں کے، بموجب حکم جناب گل کرسٹ صاحب دام اقبالہ، زبان اردو میں بیان کرتا ہے"۔ ۱

انھوں نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا۔ مرزا محمد عسکری نے لکھا ہے:—

"ایک دیوان ریختہ تقریباً ساڑھے تین سو صفحات جس میں غزلیات، قصائد، رباعیات وغیرہ مع سوانح عمری مصنف کے ھیں۔ اس کا نسخہ خود مصنف نے بطور یادگار کے فورٹ ولیم کالج کو ۱۸۱۰ء میں دیا تھا"۔ ۲

اور سید محمد نے اُن کے دیوان کے بارے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے:—

"ولا صاحب دیوان ھیں اور اُن کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ شاھان اودھ میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور کتب خانے میں اُن کے دیوان کا پتہ نہیں چلا"۔ ۳

ولا کے کلام کا انتخاب درج ذیل ہے

ممکن نہیں کہ خاک نشینوں کی تو سنے
ہے ان دنوں دماغ ترا آسمان پر

۱۔ مظہر علی خاں ولا: ھفت گلشن ۱۹
۲۔ عسکری: تاریخ ادب اردو ۱۳
۳۔ سید محمد: ارباب نثر اردو: ۱۶۱

نہ حاجت کے لئے دست دعا کو منہ پہ لاتا ہوں
میں اپنی زندگی سے سچ تو یہ ہے ہاتھ اٹھاتا ہوں

ایک جیحوں ہے کہ پلکوں سے بہا آتا ہے
کیا بلا تھی یہ میرے دیدۂ گریاں کے بیچ

یوں ہی گر کرتے رہے ہم اشک سے تر آستیں
آپ بھی رو دیں گے اک دن منہ پہ دھر کے آستیں
قتل سے میرے نہ منکر ہو کہ ظالم اب تلک
بھر رہی ہے خون سے تیرے سراسر آستیں
عشق کے آثار سب تجھ میں ہویدا ہیں ولا
رنگ زرد و آہ سرد و اشک سے تر آستیں

ہرگز نہ گریں اس سے اشک اثر آلودہ
ہووے نہ کبھی خوں سے جو چشم تر آلودہ
از بس کہ کلیجے کے ٹکڑے ہوئے گرتے ہیں
آنکھوں سے میرے آنسو لخت جگر آلودہ
واں رشک چمن اس نے گھر اپنا کیا ہے، یاں
اشک جگری سے ہے دیوار و در آلودہ
اک پل میں گذر جاوے یہ چرخ بریں سے بھی
ہوتی ہے بری ظالم آہ اثر آلودہ
بخش اپنے ولا کو بھی از راہ کرم یا رب
ہر چند گنہ سے ہے وہ سر بسر آلودہ

دل کیونکہ نہ ہو اُس بت طرار کے صدقے
ہوتے ہیں سبھی وضع طرح دار کے صدقے

گہہ چشم و گہہ ابرو و گہے چین جبیں کے
گہہ خال کے ہوں گاہ میں رخسار کے صدقے

اک بوسہ تو لینے دے مجھے اپنے لبوں سے
انکار نہ کر میں ترے انکار کے صدقے

اس عشق کے قطرے کو اثر دے مرے یارب
تا ہووے ولا چشم گہر بار کے صدقے

ہمدم فقط نہ مجھ ہی کو اُس گل نے غش کیا
آیا جو انجمن میں تو بس کُل نے غش کیا

یک قطرہ خون نہیں جگر و دل میں یاں مرے
مجھ کو تو اشک خون کے تسلسل نے غش کیا

عالم نہ سکتے کا ہے فقط اپنا ہی ولا
عالم کو اس کی شان تجمل نے غش کیا

زلفوں میں جا اسی کی دل زار بندھ گیا
چھٹتے ہی آہ پھر نہ گرفتار بندھ گیا

اُس برق وش کی یاد میں رویا ہوں یاں تلک
مینہ کی جھڑی کی طرح سے اک تار بندھ گیا

ہوش و حواس اُڑ گئے فی الفور اے ولا
دل میں خیال یار جو اک بار بندھ گیا

یاد میں اُس کی کون سا دل جو مثل جرس نالان نہیں
چشم نظارہ کس کی یہاں اب آئینہ ساں حیران نہیں

ایک نگہ اُس ماہ جبیں کو دیکھا ھے جس نے اُس کا تو
دیدہ گریاں ، سینہ ھے بریاں ، ھوش نہیں اوسان نہیں

بزم میں اپنی بیٹھ کے ھم کو جو جو کچھ تم کہتے ھو
ھم پر گو ھموار ھوا سب ، آپ کے یہ شایان نہیں

کون سنے ھے، کس کنے جا کر حال دل اپنا عرض کرے
تیرے سوا تو کوئی ولا کا جان نہیں پہچان نہیں

یہ اشعار اعلیٰ درجے کے اشعار ھیں ، اور ان سے یہ صاف ظاھر ھے کہ ولا غزل کے اعلیٰ درجے کے شاعر تھے - اس فن پر انہیں پوری قدرت حاصل تھی اور انہوں نے شاعری کی دنیا میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا تھا -

مظہر علی خاں ولا نے اپنی کتاب جہانگیر شاھی میں اپنے حالات کی جو تفصیل پیش کی ھے وہ دلچسپی سے خالی نہیں - اس لئے یہاں اُس کا نقل کرنا مناسب معلوم ھوتا ھے - لکھتے ھیں :-

”--- حقیر مظہر علی خاں جو سلیمان علی خاں کا چھوٹا بیٹا اور پوتا آقا محمد حسین اصفہانی کا، جس کا خطاب علی قلی خاں تھا ، اور پروتا آقا صادق ترک کا یہ بیان کرتا ھے کہ - جب وہ دونوں بزرگوار ساتھ ساتھ ولایت اصفہان سے شاھجہان آباد میں آئے --- شدہ شدہ آقا محمد حسین نے نواب سعید الدین خاں بہادر میر آتش غفران پناہ کی وساطت سے سنہ احد میں فردوس آرامگاہ محمد شاہ بادشاہ کا شرف ملازمت اختیار کیا - اور اپنی لیاقت و قابلیت سے یہ رسائی بہم پہنچائی کہ شہنشاہ گیتی ستاں نے از راہ نوازش و مہربانی حضور کی بائیس خدمتوں سے -- جیسے

خاصه ، بارہ ، اور کچہری اور گلال باد اور پیادۂ کرناٹک اور اکثر حلقوں سے اہتمام کے سوا ، اور خدمتوں کی داروغگی سے سرفراز کر علی قلی خاں خطاب عنایت فرمایا —— خان مغفور کی رحلت کے بعد سلیمان قلی خاں عرف مرزا محمد زماں وداد کہ کمالات حمیدہ سے متصف تھا ، نواب نجم الدولہ محمد اسحاق خاں بہادر جو بہ نواب شہید مشہور ہے ، اس کے وسیلے سے اور بہ نظر قدامت از راہ نوازش اور مہربانی کے ظل سبحانی نے تجویز کر منگل باشی کے منصب سے سر فراز فرمایا —— نواب موصوف اس کے جوہر کے ملاحظے سے برابر کا سلوک کرتا ، اور اس بزرگوار کی تقلید وتتبع شاہ و گدا کرتا ۔ چنانچہ یہ بات مشہور و معروف ہے ۔ اور شاہ عالم بادشاہ خلد اللہ برھانہ ملکہ ، کی ابتدائے سلطنت میں نواب عزت الدولہ صولت جنگ موسیٰ خاں بہادر غفراں پناہ کی رفاقت اختیار کی تھی ۔ جو فن اشعار فارسی و هندی اور محاورہ دانی اُردو و فارسی میں مہارت کلی تھی ، چنانچہ فخر الشعراء مرزا رفیع سودا اور میاں خاکسار خادم قدم شریف نے سرمایہ ریختہ گوئی کا اسی جناب کی شاگردی سے حاصل کیا —— یہ عاصی مدت تلک نواب سیف الدولہ بخشی الملک نجف علی خاں بہادر مظفر جنگ کی رفاقت میں رہا ۔ اور کتنے دنوں شہزادہ جہاندار شاہ جنت آرام گاہ کے حضور اشعار گذرانتا ، تفضلات و مہربانی سے تحسین و آفرین فرماتے ۔ جس وقت کہ شہزادہ عالی جاہ نے بنارس کو کوچ کیا ، اتفاقاً بندے کا رہنا لکھنؤ میں ہوا ۔ بعد اس

کے معتمد الدولہ مشیر الملک مہاراج دھراج نراندر مہاراج ٹکیٹ رائے بہادر صلابت جنگ نے اس بندے کی نوکری سر رشتۂ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر ہزبر جنگ کی سرکار میں درست کر، اپنا رفیق کیا۔ چنانچہ چھ سات برس تلک اس کے سر رشتے میں رہا۔ جب مہاراج کی مختاری کا سر رشتہ برہم ہوا، راقم کتنے دنوں معطل رہا۔ اتفاق حسنہ سے سنہ اٹھارہ سو (۱۸۰۰ء) عیسوی میں نواب مستطاب معلی القاب تاج بخش سلاطین ہندوستان مارکوئس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ، جو لکھنؤ سے شاعروں کو بلوایا تھا، بندے نے بخشی الملک فخر الدین احمد خاں بہادر عرف مرزا جعفر ابن محسن زماں خاں مرحوم کی وساطت و مربی گری سے ملازمت اسکاٹ صاحب والا مناقب و عالی مناصب کی حاصل کی۔ اور آنیس مارچ کی دسویں تاریخ نوکر ہو کر سنہ مذکور میں وارد کلکتہ ہوا —— اور ملازمت امیرالامرا بہادر (چیف سیکرٹری) کی حاصل کی —— آنہیں کے حکم کے بہ موجب صاحب عالی شان، عالم معانی و بیان جان گل کرسٹ صاحب کی خدمت میں، جو زبان ہندی کے مدرس تھے، متعین ہوا —— اور صاحب ممدوح کے فرمانے سے مادھونل اور بیتال پچیسی سے، جو برج بھاشا میں ہیں، ان کا ترجمہ للو لال کبّ کی مدد سے اس طرح کیا کہ بیشتر برج کی بولی بیتال پچیسی میں رہنے دی کہ مرضی صاحب مدرس کی یوں ہی تھی۔ بعد اس کے ہفت گلشن کا ترجمہ کیا۔ جب اس سے فراغت حاصل ہوئی، محسن زماں، حاتم دوراں،

فیض رسان شرفا مسٹر ھارنگٹن دام حشمتہ، کی نذر کیلئے پند نامہ سعدی شیرازی کا ترجمہ زبان آردو میں شعر کا شعر کیا - چنانچہ ہزار جلد اس کی چھاپی گئی - پانچ سوگلستان ہندی کے ساتھ اور پانچ سو علحدہ ـــ بعد اس کے صاحب مدرس والا مناقب نے از راہ نوازش و الطاف مجوز ھو کر فرمایا کہ لطائف و ظرائف کا ترجمہ بہ لطائف و ظرائف کیا جائے - بہتر ہے کہ تو ھی اس کا ترجمہ کر کہ زبان آردو میں تجھے خوب دخل ھے - اور یہ مرتبہ مہارت راقم نے بہ موجب ارشاد کے قبول کیا ، اور آسے انصرام کو پہنچایا - اس عرصے میں صاحب ممدوح (گل کرسٹ) کو ولایت جانے کا اتفاق ھوا اور کپتان جیمس مویت صاحب والا مناقب قائم مقام ان کے ہوئے - حقیر نے موافق حکم کے ترجمہ تاریخ شیر شاھی کا کیا - بعد اس کے صاحب عالی شان منبع لطف و احسان ڈاکٹر ولیم ھنٹر ثروتہ، کی ابتدائے ارشاد میں اقبال نامۂ جہانگیری کا ترجمہ شروع کیا - اور بارہ سو چوبیس ھجری مطابق سنہ اٹھارہ سو نو عیسوی میں نواب معلی القاب لارڈ منٹو گورنر جنرل بہادر کے عہد دولت میں اس طرح تمام اتمام کو پہنچا کہ بالکل لفظاً باللفظ ترجمہ کیا - مگر بعضی جگہ رعایت محاورہ کے لئے اس کا مدعا لیا اور جہانگیر شاھی اس کا نام رکھا - اور اس کو کپتان ٹیلر صاحب دام دولتہ کہ بالفعل مدرس مدرسۂ ھندی کے ھیں ان کی وساطت سے حضور والا میں گُذارنا"۔[۱]

۱- مظہر علی خاں ولا : تاریخ جہانگیر شاھی بحوالہ گل کرسٹ اور اس کا عہد از محمد عتیق صدیقی صفحہ ۳۰۶

مظہر علی خان ولا کی تصانیف نثر میں (۱) ہفت گلشن (۲) مادھونل اور کام کنڈلا (۳) بیتال پچیسی (۴) تاریخ شیر شاہی اور (۵) جہانگیر نامہ مشہور ہیں — ہفت گلشن ، ناصر علی خاں واسطی بلگرامی کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب ۱۸۰۱ء میں مکمل ہوئی لیکن شائع نہ ہو سکی - اس کا صرف ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانے میں موجود ہے '—مادھونل اور کام کنڈلا' موتی رام کبیشر کی برج بھاشا میں لکھی ہوئی کتاب کا اردو ترجمہ ہے- ولا نے اس کو ۱۸۰۱ء میں مکمل کیا - اس میں مادھونل اور کام کنڈلا کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے - یہ کتاب بھی اب تک شائع نہیں ہوئی - اس کا بھی صرف ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانے میں ہے - بیتال پچیسی بھی ترجمہ ہے - یہ سنسکرت زبان کی قدیم کتاب ہے جس کو محمد شاہ کے زمانے میں سورت کبیشر نے برج بھاشا میں لکھا تھا - ولا نے اس کا ترجمہ ۱۸۰۳ء میں کیا - اس میں پچیس کہانیاں ہیں - جن کو ایک بھوت بیان کرتا ہے- یہ کتاب سب سے پہلے کلکتہ میں شائع ہوئی تھی - اس کے بعد بار بار چھپی اور موجودہ دور میں ناگری رسم الخط میں اس کے متعدد اڈیشن شائع ہوئے ہیں - تاریخ شیر شاہی عباس خاں بن شیخ علی شیروانی کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے - یہ کتاب شیر شاہ سوری کے بارے میں ہے اور اکبر اعظم کے حکم سے فارسی میں لکھی گئی تھی- ولا نے اس کا ترجمہ ۱۸۰۵ء میں کیا - یہ کتاب بھی ابھی تک شائع نہیں ہوئی - اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ہے جہانگیر نامہ فارسی کتاب تزک جہانگیری کے ایک حصے کا اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب بھی ابھی تک شائع نہیں ہوئی اور اور بعض لکھنے والوں کا خیال ہے کہ یہ نایاب ہے - راقم کو

اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ملا ہے لیکن یہ ناقص ہے۔ اور اس سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔

مادھونل اور کام کنڈلا مظہر علی خاں ولا کی ایک اہم تالیف ہے۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے جس میں مادھونل اور کام کنڈلا کی داستان عشق کو پیش کیا گیا ہے۔ کہانی میں کوئی خاص بات نہیں لیکن منظر نگاری، جذبات نگاری اور ایک مخصوص فضا کی تصویر کشی نے اس میں بڑی دل موہ لینے والی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس کا اسلوب اور انداز بیان صاف اور سلیس لیکن شگفتہ اور شاداب ہے اور اس اسلوب اور انداز بیان نے مجموعی طور پر اس کو اردو نثر کی ایک اہم کتاب بنا دیا ہے۔

عبادت

دیباچہ مؤلف

حمد و ثنائے بے پایاں لائق اس آفریدگار کے ہے کہ خالقِ کون و مکاں اور روزی رسانِ عالم و عالمیاں ہے اور نعمتِ فراواں قابلِ اس رسولؐ کے کہ باعث تکوین تمام کائنات کا ہے۔

بعد اس کے اضعف العباد احقر الناس مظہر علی خاں متخلص بہ ولا یہ قصہ مادھونل اور کام کنڈلا[1] کا کہ زبان برج[2] میں موتی رام

۱- مادھونل اور کام کنڈلا کی یہ کہانی جس کو مظہر علی خاں ولا نے اردو میں لکھا دراصل موتی رام کبیشور کی برج بھاشا میں لکھی ہوئی کہانی سے ماخوذ ہے۔ ولا خود برج بھاشا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے ڈاکٹر گلکرسٹ نے اس کو پڑھ کر سنانے اور سمجھانے کا کام للوجی لال کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کہانی کو پڑھ کر سناتے جاتے تھے اور مظہر علی خاں ولا اس کو اردو میں لکھتے جاتے تھے۔

یہ کہانی بہت پرانی ہے۔ سنسکرت زبان میں یہ دوبار ''مادھونل آکھیئم'' اور ''مادھونل ناٹکم'' کے ناموں سے ۱۳۰۰ء کے قریب لکھی گئی۔ [ڈاکٹر پانڈے: مدھیہ یوگین پر آکھیان (الہ آباد ۱۹۶۱ء) ص ۴۷]

اس کے علاوہ پرانی ہندی کی مختلف بولیوں میں اس کو کئی لکھنے والوں نے لکھا۔ ۱۵۲۷ء میں گن پتی نے اس کو ''مادھونل کام کنڈلا'' کے نام سے، ۱۵۴۳ء میں اس کو مادھو شرما نے ''مادھونل کام کندلا — رس ولاس'' کے نام سے، ۱۵۵۹ء میں کشل لابھ نے اس کو ''مادھونل کام کندلا — چوپئی'' کے نام سے، ۱۵۵۹ء میں پرشوتم وتس نے اس کو ''مادھونل کتھا۔ چوپئی'' کے نام سے، ۱۵۸۳ء میں عالم نے اودھی میں اس کو مادھونل کام کندلا کے نام سے اور ۱۶۸۰ء میں دامودر نے اس کو ''مادھونل کتھا'' کے نام سے لکھا''۔ [ایضاً: ص ۱۰۵]

اردو میں یہ کہانی پہلی بار ۱۸۰۱ء میں مظہر علی خاں ولا نے للوجی لال کوی کی مدد سے لکھی۔ اس کا صرف ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم لندن میں ہے۔

۲- زبان برج سے مراد برج بھاشا ہے جو دلی اور میرٹھ کے آس پاس

کبیشور ۳ نے کہا ہے ، بہ موجب فرمائش جناب گلکرسٹ صاحب [۴] دام اقبالہٗ کے بہ محاورۂ زبان اردو بیان کرتا ہے ۔ لیکن ابتدائے قصہ شہر کی تعریف میں اور اس کے راجہ اور لوگوں کے وصف میں ہے ۔

بولی جاتی تھی، اور جس کے بارے میں بعض لکھنے والوں کا خیال ہے کہ اردو اسی بولی سے نکلی ہے ، یا اس کی ترقی یافتہ شکل ہے ۔

۳- موتی رام کبیشور برج بھاشا کا شاعر ہے ۔ اس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے ۔

۴- ڈاکٹر جان گلکرسٹ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ہندوستانی کے پروفیسر تھے ۔ انھوں نے اردو کے لکھنے والوں کو کلکتہ میں جمع کیا اور ان سے مختلف کتابیں لکھوائیں ۔ ڈاکٹر گلکرسٹ اردو زبان کے عاشق اور اس کی صرف و نحو کے ماہر تھے ۔ انھوں نے خود بھی کئی کتابیں لکھی ہیں ۔

آغاز داستان

مادھونل اور کام کنڈلا

۱

بلند بلند مکانوں کے بالا خانوں کا عالم دیکھ کر آسمان زمین کا عالم تہہ و بالا تھا۔ نئے نئے طور کے مکان منقش۔ عالی شانوں پر سنہری کلسیوں کے چمکنے سے عجب اُجالا۔ صاحب علم و ہنر نیک افعال و نیک کردار اور لوگ اچھے اچھے آرام چین سے اُس بستی میں بستے تھے۔

وہ پہہ پاؤتی نگری۵ مشہور تھی۔ اور راجہ گوپی چند دانش و بخشش میں یکتا، نیک افعال، خجستہ خصال، مہر سے معمور، حلم و حیا سے مشہور، صورت و سیرت میں خوب، خلق طالب وہ مطلوب۔ دوست اُس کے لطف سے شاد اور دشمن قہر سے برباد، جا بجا اُس کی دھاک۔

غرض وہاں کا راجہ، راجہ اندر۶ کی طرح راج کرتا تھا۔ اور اُس کے محل میں عورتیں ہر ذات کی تھیں، لیکن سب سے بہتر اور بر تر، پاکیزہ طینت و آراستہ بہ زیب و زینت شرم و آداب سے اور علم و ہنر سے، مالا مال خوبیوں سے۔ اُس کی ساری خلقت خوش حال، سامان عیش و نشاط، ملک سراپا انبساط، شکل و شمائل بُری سراپا غرور سے، بھری عیش و نشاط کے طور سے، آگاہ شکل میں مانند ماہ گلبن چمن شادمانی، گل گلزار جوانی، ابرو کمان تیر اُس کی ہر ایک مژگان ناز کے۔ اُس میں تمام آئین نپٹ۷ حسین و ناز نین اُس کی رانی تھی اور ایک

۵۔ سنسکرت میں پشپاوتی نگری پھولوں کی بستی کو کہتے ہیں۔ ہندی میں یہ پشپاوتی نگری پہہ پاوتی نگری ہو گیا۔ اس کا مطلب بھی پھولوں کی بستی ہے۔ یہاں مراد ہے خوبصورت اور خوش حال۔

۶۔ راجہ اندر اپنے عیش اور تعیش کے لئے مشہور ہے۔

۷۔ نپٹ ہندی لفظ ہے۔ اس کا مطلب ہے بہت زیادہ۔ قدیم اردو میں بھی استعمال ہوتا تھا۔ اب متروک ہے۔

مادھو نام برھمن ، خوبصورت و خوش سیرت اُس کا بڑا مصاحب تھا۔ چنانچہ راجہ کی مہربانی و نوازش اُس پر حد سے زیادہ تھی ، اور وہ نہایت فہیم و عاقل اور علم موسیقی میں کامل تھا۔ شکل اُس کی دیکھ انسان و پری دیوانے ہو جاتے تھے۔ غرض زبان کبیشور اور مولف کی اُس کی تعریف میں قاصر ہے۔ ابیات ؎

یاد میں اُس کی کون سا دل جو مثل جرس نالاں نہیں
چشم نظارہ کس کی یہاں اب آئینہ ساں حیران نہیں
ایک نگہ اُس ماہ جبیں کو دیکھا ہے جس نے ، اُس کا تو
دیدہ ہے گریاں، سینہ ہے بریاں، ہوش نہیں اوسان نہیں
کاکل مشکیں رشک سنبل ، عارض گلگوں غیرت گل
قد کو نسبت سرو سے دوں پر اُس میں تو یہ شان نہیں
دست نگاریں دیکھ کے ڈوبا پنجۂ مرجان دریا میں
ساعد کی حرکات سے اُس کی شاخ گل میں جان نہیں
چشم خمار میں دیکھ کے اُس گل کی باغ جہاں میں اے یارو!
حیرت ہے اک عالم کو کچھ نرگس ھی حیران نہیں

حاصل یہ کہ اُس کے حسن و جمال کو دیکھ کر اور بین کی صدا کو سن کر رنڈیاں۸ تمام شہر کی ایسی محو ہو گئیں تھیں۹ کہ مطلق آپ میں نہ تھیں۔ اس سبب سے سارے شہر کے لوگ تنگ ہو کر ایک دن فریاد کو راجہ کے پاس آئے اور کہنے لگے ”سنیے مہاراج!

۸- اُنیسویں صدی کے اُردو مصنفین نے رنڈی کا لفظ عورت کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ آگے چل کر اس کا مفہوم بدل گیا اور یہ لفظ عام طور پر طوائف کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ یہاں رنڈیاں عورتوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۹- انیسویں صدی کے ابتدائی دور کی قلمی کتابوں میں ہوگئیں تھیں، لکھتے تھے۔ بعد میں، ہو گئی تھیں، لکھنے لگے۔ اور اب اسی طرح لکھا جاتا ہے۔

راجن کے راجہ۱۰! تم نے سب طرح سے رعیت کو نوازا اور تم سے سب طرح سے راضی ہے لیکن مادھو کے گنوں۱۱ سے اب رہ نہیں سکتی اور شہر کو چھوڑے جاتی ہے"۔

تب راجہ نے اُن سبھوں سے کہا کہ "مادھو کی تقصیر ایسی کیا ہے جو غصے ہو اُس پر، شہر کو چھوڑاتے ہو؟"

تب ہاتھ جوڑ کر سب نے ماجرا جوں کا توں عرض کیا اور بولے "انصاف کرو، فریاد کو پہنچو! نہیں تو ہم یہاں نہ رہیں گے۔ کیا آپ نے سنا نہیں اگلے لوگ کہہ گئے ہیں۔ جو بھائی، بھتیجا، بھانجا خوبصورت ہو تو رنڈیاں اُس سے بھی باز نہیں آتیں۔ اور اگر اپنے تئیں بچا بھی رکھتی ہیں پر جب وہ نظر آتا ہے، بے اختیار مزے میں آجاتی ہیں"۔

یہ سن راجہ کے جی میں یہ آئی کہ گو بھلے ہوں یا برے لیکن رسم یہ ہے کہ ایک کے واسطے بہتوں کو خفا نہیں کرتے۔ پھر امتحان کے لئے پتیاں کنول کے پھولوں کی بچھوا کر کتنی ایک رنڈیوں کو اچھی اچھی باریک ململوں کی ساڑیاں پہنا اُن پر بٹھلایا، اور برھمن کو بلوا راجہ نے نیچی نظریں کر کہا "جتنے گن تجھ میں ہیں سو میرے آگے ظاہر کر"۔

مادھو یہ بات سن راجہ کی، سوچا کہ کسی دشمن نے چغلی کھائی لیکن نیک آدمی اور بے امان۱۲ کو جو کوئی دکھ بھی دے تو

۱۰- راجن کے راجہ کا مطلب ہے - بہت بڑا راجہ وہ راجہ جو دوسرے راجاؤں پر راج کرتا ہے۔ یعنی بادشاہوں کا بادشاہ شہنشاہ۔

۱۱- عام طور پر گنوں علم و ہنر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات کسی کے عیب اور بری باتوں کو واضح کرنے کے لئے بھی اس کو استعمال کرتے ہیں۔ یہاں دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۲- بے مان ہندی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں بے عزت یعنی حقیر، کم مرتبہ کمزور۔

بھی وہ کسی کو سخت نہیں کہتا جیسے خواص گنے کا کہ خوبی اپنی سے دست بردار نہیں ہوتا گو کہ اس کی پور سے پور جدا کریں۔ ویسے ھی بد سرشت اپنی بدی سے باز نہیں آتا۔ مثلاً سانپ اگر اچھی ذات کا ہو، وقت پر اپنے زہر ھی اگلتا ھے۔ اور عدول حکمی راجہ کی تواضع نہ کرنی برھمن کی اور جدا سلانا عورت کا بدون ھتھیار کے مارنا ھے۔ یہ سمجھ کر مادھو بین کاندھے پر لے اور ساتوں سر ملا گانے لگا۔

بس اتنے میں یہ سماں اور عالم اُس کا دیکھتے ھی ھر ایک عورت کی ویسی ھی حالت ہوئی اور کنول کی پتیاں ھر ایک کے بدن سے چپک گئیاں ۔۱۳

راجہ نے یہ حال جو دیکھا نہایت متعجب ھوا۔ الحق کہ راگ سکھیوں کے سکھ کا سامان ھے اور دکھیوں کے دکھ کا درماں۔ کامنیوں کے موھنے کو موھنی منتر۱۴ ھے اور خوشی کی بنیاد و عیش کی جتنی حالتیں ھیں اُن کا بڑھانے والا ھے اور کام دیو۱۵ کا پیشکار۔ اسی واسطے اُسے پنڈت پانچواں بید۱۶ کہتے ھیں۔

پھر راجہ اُس کے گن اور روپ کو دیکھ کر اپنے جی میں کہنے لگا کہ " افزائش حسن و کمال کی، موجب وبال کا ھوتی ھے۔ چنانچہ

۱۳- پرانی اردو میں گئیں کی جگہ گئیاں استعمال کرتے تھے۔ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانے تک رائج رہا۔ اس کے بعد متروک ھو گیا۔ پنجابی اور دکنی میں ابھی تک اسی طرح استعمال ھوتا ھے۔

۱۴- خوبصورت عورتوں کو رجھانے کے لئے نہایت ھی لطیف جادو ھے۔

۱۵- ھندی علم الاصنام میں کام دیو عشق کا دیوتا ھے۔ یونان میں اسی دیوتا کو کیوپڈ کہتے ھیں۔

۱۶- بید یا وید چار ھیں۔ یہ ھندو مذھب کی مقدس کتابیں ھیں۔ موسیقی کی اھمیت کے پیش نظر اس کو ویدوں سے مناسبت دی گئی ھے۔ اور اس فن کو پانچواں وید کہا گیا ھے۔

سیتا۱۷ کو خوبصورتی نے زہر دکھایا اور راون۱۸ کو غرور پیش آیا "

پھر غمگین ہو ایک بیڑا تین پان کا دے کر کہا "اب رخصت ہو اور اس شہر سے جا کہ یہ راج اور شورش خلق کی ہم میں تم میں جدائی کا سبب ہوئی "۔

یہ سوچ کر مادھو نے کہا کہ "جب ماں دیوے زہر اور راجہ کرے قہر تو پناہ کس کی ؟ "

لیکن از بس کہ عاقل و دانا تھا ۔ اس کے مزاج پر ہرگز اس بات کا ملال نہ ہوا اور یوں شہر کو چھوڑا جوں پان کا آگال ۔

۱۷۔ سیتا ، رامائن کی اہم شخصیت ، رام چندر جی کی بیوی جن کو راون آٹھا کرلے گیا تھا اور جس کے نتیجہ میں بڑی لڑائی ہوئی تھی سیتا اپنے حسن اور پاکدامنی کے لئے مشہور ہیں ۔

۱۸۔ راون لنکا کا راجہ تھا جو رام چندر جی کی بیوی سیتا کو آٹھا کر لے گیا تھا اور جو ہندو عقیدے کے مطابق شر کی علامت ہے ۔

۲

القصہ جب شہر سے مادھو چلا تو سب رنڈیاں نوجوان ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگیں۔ غرض کیا کہئے یہ اندھیر عالم میں ہوا کہ گویا آفتاب چھپ گیا۔ دن کی رات ہوئی اور اُس کو کچھ پروا نہ تھی۔ شہر شہر اور جنگل جنگل ہر روز نیا دانہ نیا پانی کھاتا پیتا، اور ایک عالم کی سیر کرتا ہوا منزل بہ منزل چلا جاتا تھا۔

اتفاقاً کام وتی نگر۱۹ میں جا پہنچا۔ جس کا راجہ حسن و جمال میں چودھویں رات کا سا چاند، صاحب عدالت و حق شناس، قدیم رسموں کو جاری کرنے والا، داد و دہش میں بے نظیر، عالی منش تمکین شعار، کوہ وقار، جود و سخا میں ممتاز، رعیت پرور، غریب نواز، عالی فطرت، والا ہمت، جنگ آزمودہ، رستم وقت، شرمندہ کرنے والا کام دیو کا، عیاش مزاج، کہہ و مہہ کے دل کا چین تھا، نام نامی اُس کا مہاراج کام سین!۔

اُس کے شہر میں ایک زہرہ جبیں کام کندلا نام کنچنی۲۰ تھی، نہایت حسین، بڑی چترا اور پربیں، آنکھیں نرگس کی سی، چتون مِرگ کی سی، زلف مثل زنجیر، پلکیں ناوک کا تیر، ابرو مانند ہِلال، بینی الف کی مثال، عارض گل سے بھی نازک تر، لب رشک برگ گل تر، دانت موتیوں کی سی لڑی، تس پر مسّی کی دھڑی، شیریں گفتار، کبک رفتار، ماہ طلعت، مہر صورت ایسی صاحب جمال جس کے دیکھے دل کا دور ہو ملال، غیرت حور و پری، سراسر

۱۹۔ کام وتی نگری مقام کا نام ہے۔

۲۰۔ کنچنی ناچنے گانے والی عورت کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے رنڈی یا طوائف۔

عشوہ و ناز سے بھری ۔ ہر ایک اُس کا شیفتہ، دل سے فریفتہ ۔ بیت ـــہ
وہ شکل و شمائل وہ اُس کی نگاہ جسے دیکھ کر ہو خجل مہر و ماہ

غرض ایک دن کا اتفاق ہے کہ رات کا سماں تھا ۔ نہایت بناؤ سنگار سے راجہ کے سامنے وہ ناچ رہی تھی ۔ قضا کار مادھو بھی مردنگ کی آواز کی دھن پر جلد جلد اور خوشی خوشی راجہ کی ڈیوڑھی پر پہنچ کر، چاہتا تھا، کہ بے محابا اور درّانا اندر گھس جاوے لیکن دربانوں نے روکا اور جانے نہ دیا ۔ تب اُس کے دل پر قیامت ایک صدمہ ہوا، اور نہایت بے کل اور بے چین ہوا ۔ اسی سوچ میں بیٹھ گیا کہ کیونکر راجہ کی مجلس میں جائے اور وہاں کا مزہ اٹھائے ۔ ہر چند کہ سماجت کی لیکن فائدہ نہ کیا ۔ تب اُس نے کہا کہ "تمہارے راجہ کی مجلس میں سب کوڑھ[۲۱] ہیں ۔ حسن و قبح کو دریافت نہیں کرتے"۔

یہ سن دربانوں میں سے ایک نے راجہ سے جا کر عرض کی کہ "ایک برہمن دروازے پر پکار پکار یہی کہتا ہے کہ ساری سبھا راجہ کی کوڑھ ہے"۔

راجہ نے تب فرمایا کہ "اُس سے یہ جا کر پوچھ کس سبب سے تو راجہ کی سبھا کو کوڑھ کہتا ہے ؟"

اُس نے راجہ کے فرمانے کے بہ موجب مادھو سے کہا ۔

پھر اُس نے حضور میں عرض کر بھیجا کہ "چار چار مردنگی تین طرف جو ہیں پورب رخ کے مردنگیوں سے ایک کا انگوٹھا نہیں ہے، جس سے سم پر تھاپ پوری نہیں بیٹھتی ۔ اس سبب سے میں نے مورکھ[۲۲] جانی"۔

۲۱- کوڑھ ہندی لفظ ہے، اور احمق اور بے وقوف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ یہاں بھی اسی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے ۔

۲۲- مورکھ بھی ہندی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ۔ احمق ۔ بے وقوف بے عقل، نادان ۔

پھر دربان نے راجہ سے یہ روداد عرض کی۔

راجہ نے اس حقیقت کو سن کر آن مردنگیوں کے ہاتھ دیکھے تو سچ مچ ایک شخص کا آنگوٹھا موم کا تھا۔

راجہ برہمن کی چترائی۲۳ سے بہت محظوظ ہوا اور اپنے پاس بلوا لیا۔ آس نے آ کر راجہ کو اسیس دی۲۴ کہ ''چرنجی۲۵ رہو''۔

تب راجہ نے لاکھ روپے اور خلعت مع جواہر آسے دیا اور سنگھاسن۲۶ پر بٹھا کر بہت نوازش فرمائی۔

قاعدہ ہے کہ صاحب کمال کو سب ہی پیار کرتے ہیں۔ خصوصاً اپنے ہم فن کو یا وہ شخص کہ جس کو ایک فن میں خوب دخل ہو، آس فن کے ماہر کو بہ دل چاہتا ہے۔ غرض دونوں میں موافقت مقرر ہوتی ہے۔ بلکہ ایسا شخص جو پرائے شہر میں وارد ہو تو آس کی زیادہ عزت و حرمت کرتے ہیں۔ اور صاحب علم و ہنر کی یوں پرورش کرتا ہے جیسے ماں باپ بیٹا بیٹی کی۔ اگر صاحب کمال کمینہ بھی ہو تو مجلس میں لوگ جا گہہ۲۷ دیتے ہیں۔ ذات کو آس کی کوئی نہیں پوچھتا سب ہی عزیز کرتے ہیں۔ بے کمال ہر جگہ ذلیل و خوار ہے اور رنج و بلا میں گرفتار ہے۔ چنانچہ مثل مشہور ہے بے

۲۳- چترائی - یہاں عقل مندی اور فراست کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

۲۴- اسیس دی یا اشیر باد دی ہندؤوں کے یہاں دعا کو کہتے ہیں۔ کبھی کبھی اس کو مبارکباد کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۲۵- چرنجی رہو کا مطلب ہے خوش و خرم رہو۔

۲۶- سنگھاسن: راجہ کے بیٹھنے کی جگہ۔ تخت سلطنت جو راجہ کے راج کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

۲۷- پرانی آردو میں جگہ کو جا گہہ بولتے اور لکھتے تھے۔ انیسویں صدی کے وسط میں متروک ہوا۔

هنر جس جگہ جائے وہاں سختی اُٹھائے اور بے علم گویا نابینا ہے
بلکہ عبث اُس کا جینا ہے ۔ اگر اہل هنر کا مال و دولت سب برباد ہو
جائے تو بھی کچھ پرواہ نہیں ۔ کس واسطے کہ جہاں جاوے گا سب کچھ
اُس کے ہاتھ آوے گا ۔ جس طرح مادھو کو پھر اُس سے بہتر خدا تعالیٰ
نے میّسر کر دیا ۔

۳

الغرض کام کندلا بھی اُس کی چترائی دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگی '' یہ شخص بڑا ہی صاحب کمال ہے اور راگ تال سر سے خبر دار۔ جو کچھ آگے حضور میں راجہ کے کرتب کرتی تھی اُس کی بھلائی اور برائی کا کوئی معلوم کرنے والا نہ تھا۔ بہتر یہ ہے اب جو کچھ کیجئے سوچ سمجھ کر کیجئے ، کہ یہ محظوظ ہو ''۔

اس بات کو دل میں ٹھہرا کر ، پوشاک باریک صندل کے عطر میں بسا کر پہنی اور خوب سا بناؤ سنگار کیا بلکہ گہنا پھولوں کا بھی پہن لیا۔ بیت ؎

کیا کیا کروں اب وصف میں اُس چرخ بریں کا
ہے بدر کہ کوکب ہے کوئی چرخ بریں کا

اور اپنے سماجی ساتھیوں کو بلا کر کہا کہ '' آراستہ ہو اور اپنے اپنے ساز ملاؤ '' !

تب اُنھوں نے مردنگ کنگری ، بین بانسری ، روز بین ، آپنک ، سر منڈل گن ، تنتی تال ، کرتال ، منہ چنگ ، دائرہ رباب، جل ترنگ اور چنگ امرٹ ، کنڈلی بناگ ، مین کھرج ، رکھب گندھار، مدھم پنچم ، دھیوت نکھاد۲۸ ۔ ان ساتوں سروں کو موافق دستور کے باندھا پھر کام کندلا راجہ کے حضور سب سمیت آئی اور ساتھنیں اُس کی راگ الاپ ، گیت چھند ، پر بند گیت دوھرا ، بشن پد۲۹ گانے لگیں، اور کام کندلا موافق بولوں کے بھاؤ بتانے ، بھویں موڑ ، تان توڑ مادھو

۲۸- ہندوستانی موسیقی کے سات سروں کے مختلف نام ۔
۲۹- گیتوں کی مختلف قسمیں۔

سے آنکھیں لڑانے ۔ بیت ؎

وہ نگاہیں جو چار ہوتی ہیں برچھیاں ہیں کہ پار ہوتی ہیں

غرض کہ جو کچھ یہ کرتب کرتی تھی سو مادھو معلوم کرتا تھا ۔ اتنے میں اور ہنر کیا کہ شیشہ پانی کا بھرا ہوا سر پر رکھا اور منہ سے موتی پرونے لگی اور بٹے ہاتھ سے اچھالنے کہ ایک بھنورا کچ کی بھٹنی پر آ بیٹھا ، اور عطر کی بو جو پائی تو وہیں جم کر ڈنک مارنے لگا ۔ اس کی کچھ کی کچھ حالت ہو گئی ۔ اس بات کو مادھو کے سوا کسی نے معلوم نہ کیا ۔

تب کام کندلا نے یہ دل میں کہا کہ "اگر ہاتھ سے دور کرتی ہوں تو بٹا گرتا ہے ، جو سر کو جھکاتی ہوں تو شیشہ ، جو ٹھہروں تو تال جاتا ہے" ۔

یہ سمجھ کر دم کو روک بھٹنی کی راہ سے نکالا ۔ اس میں ایک بارگی جوں گرم ہوا بھونرے کو لگی اڑ گیا ۔

یہ ہنر مادھو نے دریافت کر چاروں طرف نگاہ کی ۔ دیکھا تو کسی نے معلوم نہ کیا بلکہ راجہ بھی مورکھ ہے کہ اس نے بھی اس کی چترائی اور گن کی خوبی دریافت نہ کی ۔

تب مادھو ، نے جو کچھ اسباب راجہ نے دیا تھا ، سب کا سب کام کنڈلا کے حوالے کیا ۔ پھر تو ہر ایک کی پیار کی نظر ہر ایک پر پڑنے لگی لیکن سیری دیدار سے طرفین کو نہ تھی ۔ چوری کے دیکھنے سے جی کیوں کر بھرے اور دل بے تاب صبر کس طرح کرے ؟۔ آنکھیں ہی رسوا کرتی ہیں اور پہلے لذت بھی یہی اٹھاتی ہیں ۔ پیچھے دل مزہ اٹھاتا ہے ۔ نداں پرائے ہاتھ جاتا ہے ۔ سچ ہے کہ نین بڑے لالچی ، بیری اور ڈھیٹھ۳۰ ہوتے ہیں ۔ نہ ان کو شرم نہ حیا ، نہ

۳۰۔ بیری اور ڈھیٹھ کے الفاظ یہاں پاگل اور اٹل کے مفہوم میں استعمال کئے گئے ہیں۔

کسی کی جان و آبرو کا دھیان ذرا ۔

غرض یہاں تک دیکھا دیکھی ہوئی کہ ہر ایک کے لوح دل پر ہر ایک کی صورت نقش ہو گئی۔ اور جی دونوں کے مل گئے ۔ مادھو اشاروں میں اُس کی تعریف کرتا تھا ۔ اور وہ آنکھوں سے سلام کرتی تھی ۔ وہ اُس پر بہ دل ہو گیا تھا مبتلا اور یہ اُس کی جی سے ہو گئی تھی شیدا ۔ غرض کام دیو نے عجب کام کیا کہ بھری مجلس دونوں کو بدنام کیا ؎

نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جب لڑیاں۳۱
یکایک کھل گئیں دونوں طرف سے دل کی کل جھڑیاں

۳۱- اُردوئے قدیم میں لڑیں کی جگہ لڑیاں بولتے اور لکھتے تھے ۔ فاعل کے ساتھ فعل کو جمع استعمال کرنا ایک زمانے تک اُردو میں عام رہا ۔ انیسویں صدی کے وسط میں متروک ہوا ۔

۴

آخر اُس کے سب اسباب دینے سے راجہ نے برہم ہو کر کہا کہ ''میں نے تجھے دو لاکھ روپے کی جنس اور مال مع خلعت بخشا سو تو نے اس بیسوا کو دے ڈالا اور آپ پھر بھکاری کا بھکاری ہو گیا۔ فقیر ہمارے سامنے کیا ہمت جتاوے۔ اکثر ہوتا ہے کہ بھیک مانگے اور نہ پاوے۔ تجھ غریب فقیر کو ہرگز یہ حرکت مناسب نہ تھی۔ معلوم ہوا کہ تو بڑا نادان ہے۔ پر یہ تو بتا وہ کون سا ہنر انوکھا دیکھا تھا تو نے جس پر ایسی بخشش کی؟''

تب تو مادھو نے کہا ''سنو راجہ! ہرن حیوان ہے اور سدا بن میں بستا ہے لیکن جب میر شکار راگنی بہروپ کی گاتا ہے تب وہ بے سدھ ہو جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے، اور اسی حالت میں ہرنی سے کہتا ہے ''اب کیا کریں؟ اس بدک۳۲ کو کیا دیں۔ ہمارے تو پاس کچھ نہیں، تب وہ کہتی ہے، جو کچھ دینے کا نہیں تو جان دے، غرض وہ میر شکار کی بندوق کی گولی کھاتا ہے اور اپنی جان گنواتا ہے۔ صد آفرین اس ہرن پر کہ جس نے راگ پر ریجھ کر جان دی۔ سچ ہے کہ اگلے راجوں نے بھی بڑی بڑی ہمتیں کیں ہیں لیکن ہرن کی ہمت و بخشش کو کوئی نہیں پہنچتا''۔

تب راجہ بولا ''معلوم ہوا کہ تجھے مال و دولت کی پروا نہیں۔ اس ہنر کو پھر بیان کر!''

تب اس نے کہا ''تیری مجلس ساری کوڑھ ہے، اور کسو کو اس فن میں اچھے برے کی تمیز نہیں۔ میں اس کا ماہر ہوں۔ اگر

۳۲۔ بدک کا لفظ غالباً یہاں معالج اور مسیحا کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہو سکتا ہے غلط ہو۔

حد سے زیادہ محظوظ ہوں تو جان تلک بھی دے گذروں‘‘۔

وہ سب کیفیت مفصل بیان کی۔

تب راجہ نے کہا ’’ کیا ڈھیٹھ ہے کہ چپکا نہیں رہتا۔ جی میں ایسا غصہ آتا ہے ایک تلوار ماروں کہ دو ٹکڑے ہو جاوے پر بامنھ سمجھ کر کچھ نہیں کہتا ، اور بد نامی سے بھی ہوں ڈرتا‘‘۔

تب مادھو نے کہا ’’جو تو مجھے مارے تو بھوت بن کے تجھ ہی کو لگوں ، اور دونوں جہان میں بھی تجھے روسیاہی ہو۔ اے راجہ! جو ہتیا برھمن کی کرتا ہے وہ پھر جنم کوڑھی کا لیتا ہے گو وہ ہزار تیرتھ اور ہوم۳۳ کرے پر ہتیا۳۴ نہیں جاتی ‘‘۔

راجہ نے یہ سن کر اس سے کہا کہ ’’ ماں باپ او، برھمن کے مارنے سے بڑا گناہ ہوتا ہے اور اس کا انجام بہت برا ہے۔ یہ بہتر ہے کہ تو میرے ملک سے نکل جا ! اور اپنے عمل بھر، میں جس کے یہاں سنوں گا اس کا زن و فرزند کولھو میں پلواؤں گا‘‘۔

پھر حکم کیا کہ ’’اس کو نکال دو اور منادی شہر میں کر دو کہ اسے جو کوئی اپنے گھر میں رکھے گا اس کی کھال کھینچ بھس بھر دوں گا ‘‘۔

مادھو نے کہا ’’ اگر یہ ہے تو تیرے شہر میں کون رہے گا۔ میں نے تو مسافری اختیار کی۔ اور کہاں بھی رکھتا ہوں۔ جہاں جاؤں گا وہاں میری قدر و منزلت ہوگی۔ ہمیشہ ہمنشین راجوں کا رہا ہوں۔ مال و دولت کی کبھی پروا نہیں رہی ‘‘۔

یہ بات سن راجہ محل میں گیا اور مادھو دل میں یہ سوچنے لگا ، ’جب ساعت بد آتی ہے کچھ کہہ کر نہیں آتی بلکہ سمجھی بھی

۳۳- تیرتھ اور ہوم ہندو مذہب میں عبادت اور ریاضت کو کہتے ہیں۔
۳۴- ھتیہا ہندی لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے عذاب۔ یہاں بھی یہ لفظ عذاب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

نہیں جاتی ۔ اگر اُتر سے قطب تارہ دکھن میں ہو جاوے، یا سورج پورب چھوڑ پچھم سے نکلے، یا آگ کی تاثیر سرد ہو جاوے، یا پہاڑ پر کنول پھولے یا سمندر تھاہ هووے یا گنگا اُلٹی بہے یا بال و پر پہاڑ کے نکلیں — یہ هووے تو ہو — پر قسمت کا لکھا نہیں مٹتا اور تقدیر سے کچھ بس نہیں چلتا ۔ جیسے کرم۳۵ کے لکھے سے رام بن بن پھرا اور راون نے خویش و قوم سمیت سب کچھ گنوایا اور پنڈوؤں کا راج گیا ۔ راجہ نل بھیک مانگتا تھا ۔ یہی طالع کروڑ طرح سے آدمی کا سوانگ بناتے هیں۳۶ اور اُس کو رتبے سے گراتے هیں۔ هر چند کہ اپنی خستہ حالی کسی کو گوارا نہیں پر مقدر سے کچھ چارہ نہیں'۔

۳۵- کرم بہ معنی قسمت ۔

۳۶- سوانگ بنانے کا مطلب ہے عجب عجب صورتیں بناتے هیں۔

۵

اتنے میں کام کنڈلا اٹھ کر آئی اور کہنے لگی کہ " تو کیوں اس قدر متردد و متفکر ہے ۔ میں تو تیرے علم و ہنر کی خریدار اور سمجھنے والی ہوں ۔ تو میرے گن بدیا۳۷ کا جاننے والا ہے ۔ جیسے بھونرا کنول کی خوبی کو جانتا ہے اور ڈاڈو (مینڈک) درخت کی جڑ میں رہتا ہے ۔ پر درخت کو نہیں پہچانتا ۔ ویسے ہی ناچنے اور تھرکنے کے لطف کو اندھا نہیں دیکھتا اور روپ کروپ۳۸ میں فرق نہیں کر سکتا ۔ بھر ایسے مقام پر افسوس عبث ہے ۔ آؤ میرے گھر چل کر رھو ! میں تمہاری خدمت کروں گی ۔ اور مجھے الفت و محبت کی باتیں سکھاؤ ! ۔ آتش شوق کو بجھاؤ ! شربت وصال محبت کے پیاسے کو پلاؤ ! اپنے بیمار الفت کی کر دوا ۔ میں عاشق تیری تو عاشق میرا ۔ تو چاند میں چکور ۔ میں کنول تو بھونرا ۔ آبس کے رس لے ۔ میں صدف تو نیساں ۔ گوہر مراد سے مجھے بھر دے !"۔

تب مادھو بولا " دنیا میں سدا یکساں پیار اخلاص نہیں رہتا ۔ وھاں دوستی کیجئے جہاں ایک سی رہے ورنہ کون درد فراق سہے ۔ کیا فائدہ جو دو دن ملے اور رات دن آتش ھجر سے جلے ۔ دوستی کا انجام اضطرابی ہے ۔ اور طرفین کی اس میں خانہ خرابی ہے ۔ نہ بیٹھے قرار نہ کھڑے چین ۔ ایک سی بے کلی رہتی ہے دن رین ؎

ھر ایک مو تن کا لگتا ہے خار
یوں کٹتی ہے عاشق کی لیل و نہار

۳۷- گن بدیا سے مراد ہے علم و ہنر ۔

۳۸- ھندی میں روپ خوبصورتی اور کروپ بدصورتی کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔

جب اپنا نہ ہو گلبدن ھمکنار
تو پہلو میں ھیں موئے تن خار خار

یہ سمجھ کر دل کہیں نہیں لگاتے ۔ تو جان لے کر عاشق مانند تلوار کے ھے ۔ جس کسو کو اس کا زخم کاری لگے وہ بچتا نہیں ۔ اور عشق آگ کا شعلہ ھے کہ جس کو لگے جلا ھی دے ۔ اُس کے سوز سے پتنگ واقف ھے کہ جو شمع کو دیکھ کر رہ نہیں سکتا ۔ اور وصل کا مزہ جلنے میں ھی ھے اُٹھاتا"۔

یہ سن کر کام کندلا تحمل نہ کر سکی اور بے اختیار اٹھ کر کہنے لگی " پریم پریت کے مزے سکھاؤ ! اور اخلاص پیار کی باتیں بتاؤ ! اب اندیشہ کچھ نہ کرو! ۔ اُٹھو ھمارے گھر چلو!"۔

یہ سن مادھو کام کندلا کے ساتھ چلا اور سکھیاں بھی ساتھ ھو لیں ۔

القصہ حویلی میں لے جا ، ھاتھ پاؤں دھلا، مسند پر بٹھایا ، اور سکھیوں نے پھولوں کی سیج کی تیاری کر کے درو دیوار پر گلاب چھڑک دیا ۔ اور عطر دان ، پاندان ، پھولوں کی چنگیروں کو دھوم دھام سے آراستہ کر جا بجا اپنے قرینے سے رکھا ۔ پھر ایک سکھی نے مادھو کو لے جا اسی سیج پر بٹھایا وھاں اُس کا عالم دیکھ کام دیو شرمندہ ھوا ! ۔ اُدھر کام کندلا نے بھی سولہ سنگار بارہ ابھرن۳۹ کر کے اور بھی جواھر پہنا اور کہنے لگی " سنو ! سکھیو ! پیم پیت کی پہیلیاں مجھے سکھاؤ ! کہ اب تک نادان اچپلی۴۰ ھوں ۔ اُس

۳۹- اپنے آپ کو سنگار سے سجا بنا کر اور زیورات وغیرہ پہن کر — پرانی ھندو تہذیب میں سنگار کی سولہ قسمیں ھیں اور زیورات بارہ ھیں ۔ اسی لئے جب عورت اپنے آپ کو خوب سجائے بنائے تو اس کو سولہ سنگار بارہ ابھرن کہتے ھیں ۔

۴۰- اچپلی ھندی میں شوخ ، چنچل اور خوبصورت کے لئے استعمال کیا جاتا ھے ۔

کی لذت سے چنداں واقف نہیں ہوں - باتیں صحبت داری کی نہیں آتیں - نہ یہ ڈھب آتا ہے کہ جس سے مرد فریفتہ و گرویدہ ہووے - دیکھئے پہلی ملاقات ہے - کیا ہو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ سب باتوں میں چترا ہے اور کوک سنگیت کا ماہر، چودہ بدیا۴۱ کا جاننے والا - یوں تو علم کوک کا میں بھی جانتی ہوں - پر اس کے سوا کچھ اور بھی مجھے سکھاؤ ! - کیونکہ مادھو کے دیکھے سے جی سہما جاتا ہے - تم سب کو اپنا جان کر پوچھتی ہوں "-

تب سکھیوں نے کہا " کوک کی ریت تم بھی خوب سمجھتی ہو - سب گھاتیں جانتی ہو اور کام دیو کے انگ۴۲ پہچانتی ہو - جس جگہ ٹھکانا کام کا جانو اُس جگہ ہاتھ مت لگانے دینا اور اُس کے بدن میں جس جگہ ہو وہاں کی مچھیاں لینا۴۳ "-

یوں سمجھا بجھا مادھو کے پاس بھیجا - وہ اس روپ سے اُسے دیکھ کر اور بھی ریجھ گیا اور وہیں کام‌دیو نے آ گھیرا - آہستہ آہستہ اُس کے پاس جا کر پلنگ پر لے آیا - پھر دونوں چترائی کی باتیں کرنے لگے - شہوت و جوانی میں بھرے ہوئے، خوبی سگھڑائی میں گھڑے عیش کی حالتوں میں بس کر محو ہوئے - شہوت کی آگ کی تاب نہ لائے - جس طرح سے کہ کوک کی ریت تھی اُسی طرح سے ہم بستر ہوئے، اور وہ رات خوشی خورمی سے کاٹی - پر جو جو کہ عمل میں لائے کسی نے دریافت نہ کیا - غرض جہاں ہوا کا نہ ہو گذر اور چاند سورج کی نہ پڑے نظر وہاں کی حالت کوئی کیا بیان کرے - مگر سکھیوں کو کلاکی سی آواز۴۴ معلوم ہوتی تھی -

---

۴۱- ہندوؤں کے یہاں عالم فاضل ہونے کے لئے چودہ علوم کا جاننا ضروری ہے - اسی لئے جب کسی کو بڑا عالم ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے - تو یہ کہتے ہیں کہ یہ چودہ بدیا کا جاننے والے ہے -

۴۲- انگ یہاں انداز اور طور طریقوں کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے -

۴۳- مچھیاں لینا غالباً نوچنے، چٹکی لینے یا گد گدی کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے - یہ ترکیب عام نہیں ہے -

۴۴- کلا کی سی آواز کا مطلب ہے فن کی سی آواز - نغمے کی سی آواز -

٦

اتنے میں صبح ہوئی اور سورج نکلا۔

سب سکھیاں اُس کے پاس گئیں۔ کام کنڈلا کسمسائی ہوئی سیج پر لیٹی تھی۔ انیندی آنکھیں جھپکی جاتی تھیں اور بات بات میں جنباھیاں (جماھیاں) آتی تھیں۔ بدن میں طاقت نہ تھی۔ ایسی نچڑ گئی تھی جیسے بھونرا کنول کا رس پی لیتا ھے اور وہ کمہلا جاتا ھے۔ پوشاک اور سنگار کی یہ حالت تھی کہ تمام چولی چسکی ہوئی، انگیا مسکی ھوئی، مانگ بگڑی ھوئی، زلفیں بکھری ھوئی۔ ھونٹوں پر دانتوں کے نشان اور چھاتی پر انگلیوں کے اور کنچن سی دیہ۴۰ پر نقش زیور کے۔ جب سکھیاں اٹھا کر لے چلیں تو متوالی سی چلنے لگی کہ قدم رکھتی تھی کہیں اور پڑتا تھا کہیں۔ جوں توں سنبھال کر باھر لائیں اور بٹھلایا۔ پھر کوئی بال اُلجھے ھوئے ھاروں میں سے سلجھانے لگی اور کوئی زیور سنوارنے، کوئی گلاب چھڑکنے، کوئی خراش سینے پر زعفران گھس گھس لگانے۔ ندان اشنان کے واسطے تالاب پر لے گئیں تو چکوا چکوی نے یہ جانا کہ چاند نکلا۔ وہ اس دھوکے سے جدا ھونے لگے اور پھول کنول کے مندنے اور کلیاں نیلوفر کی کھلنے لگیں۔ پھر اُس کے بدن میں خوشبو اپٹن مل کر، نہلا دھلا باھر لائیں۔ پانی کی بوندیں اُس کے چمپئی رنگ پر یوں لگتی تھیں جیسے چمپا کے پھول پر شبنم۔ اور ھر ایک لٹ سے قطرہ پانی کا گرتا ھوا نظر آتا تھا جیسے سانپ منہ سے موتی اُگلتا ھے۔ گھونگر والے بال چھوٹے چھوٹے اس کے ماتھے پر یوں تھے جیسے جھنڈ بھونروں کا، اور قطرے پانی کے ان سے ایسے ٹپکتے تھے جیسے

۴۰۔ کنچن سی دیہہ سے مراد ھے سونے کا سا جسم۔

وہ کنول کا رس پی کر اگلتے ھیں۔

غرض کہ بال سکھا ، بدن پونچھ ، پوشاک پہن ، سولہ سنگار بارہ ابھرن کر، سکھیوں سے باھم یہ مشورہ کیا ''آج مادھو کو یہاں اور بھی کس طرح رکھا چاھئے۔ اب کا بچھڑا ھوا پھر دیکھئے کب ملے۔ مثل مشہور ھے ندی ناؤ سنجوگ ، کت اودھو کت لوگ۴۶''۔

تب سکھیوں نے کہا کہ ''کام کندلا! تمہارے سکھ سے ھمارا سکھ ھے اور تمہارے دکھ سے ھمارا دکھ۔ جو کچھ کہو قبول ھے''۔

پھر یہ بات ٹھہرا مادھو کے پاس آ کر کہا کہ '' تجھ بن مجھے صبر و قرار نہیں۔ یہی جی چاھتا ھے کہ ایک پل تجھے نہ چھوڑوں''۔

تب سکھیوں نے بھی کہا کہ '' سچ ھے اس کی ایسی ھی حالت ھے۔ کیا کرے سب کو چھوڑ کر تیری ھوئی۔ سو تو چپکا بیٹھا ھے۔ بہتر اس سے یہ ھے جو دل میں ھو سو کہہ۔ یقین کر جان جن کی روحیں ملی ھوئی ھوتی ھیں، وھی باھم دگر یہاں بھی ملتے ھیں اور بدون وھاں کی ملاقات کے یہاں ملاقات نہیں ھوتی۔ بیت ؎

ازل سے روحیں ملیں تھیں جو مل گئیں باھم
نہ ھوتا ورنہ کبھو دوستی کا یہ عالم

غرض جو ھو سو ھو۔ آج تو اور بھی نہ جا!''۔

یہ سن مادھو نے کام کندلا سے کہا کہ '' ھمیں رخصت کر اور اپنے پر آفت مت لا! یہ خبر جو راجہ تلک پہنچے تو خدا جانے تیرا کیا حال ھو۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ باز آ اس بات سے!

۴۶۔ ندی ناؤ سنجوگ۔ کت اودھو کت لوگ۔ ھندی کی ضرب المثل ھے۔ اسکا مطلب یہ ھے کہ ندی اور ناؤ کا ملاپ ھوتا ھے۔ کہاں اودھو اور کہاں لوگ؟ اودھو کرشن کے ساتھی تھے لیکن انھیں کرشن کی طرح شہرت اور مقبولیت حاصل نہ ھو سکی۔ اسی لئے کہا جاتا ھے کہ لوگوں سے آن کا کوئی تعلق نہیں۔

درگذر کہ انجام اس کا خرابی و پشیمانی ہے۔ اس اندیشے کے مارے جاتا ہوں والاّ مجھے بھی کسی طرح سے تیری دوری گوارا نہیں۔ میں یاد ایک پل نہ بھولوں گا ؎

جدائی تری کس کو منظور ہے
زمیں سخت اور آسماں دور ہے

بس تیرے حق میں یہی بہتر ہے کہ مجھے جانے دے"۔

تب کام کندلا نے کہا " ہنوز تو نہیں گیا تس پر میری حالت تباہ ہے۔ اگر جائے گا تو مر ہی جاؤں گی ؎

نہ ہوئی غم سے کسی آن رہائی مجھ کو

جو رسوائی خرابی ہو سب گوارا ہے لیکن آج کی رات اور بھی رہ جا کہ پھر پھولوں کی سیج پر ہم بستر ہوویں اور دل کی حسرتیں کھوویں"۔

۷

آخر انہیں باتوں میں سانجھ ہو گئی اور چاندنی نکل آئی۔

سکھیوں نے سیج کی تیاری بہ دستور کی اور یہ دونوں بھی بن ٹھن کر پلنگ پر آئے اور آپس میں یہ کہنے لگے کہ "دوستی میں بچھڑنا ہی خرابی ہے"۔

اتنے میں کام کندلا نے کہا کہ "وصل کی رات کا عرصہ تھوڑا ہے۔ ایسا علاج کیجئے کہ گھٹنے نہ پاوے!"۔

تب مادھو نے بین اٹھا کر ایسا راگ بجایا کہ چاند کی رتھ کے ہرن۴۷ کھڑے ہو رہے۔ رات بڑھ گئی۔ سویرا نہ ہو پایا۔ چکوا چکوی بھی تالابوں پر جدائی سے گھبرا گئے۔

تب کام کندلا نے کہا "سدا رہے آدھی رات اور چاند سورج میں مل جائے۔ اس واسطے کہ صبح کو ہمارا پیتم جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یا اللہ! چھ مہینے کی رات کر دے"۔

جب دیکھا اس نے کہ رات بڑھ گئی اور صبح نہیں ہوتی تب بین ہاتھ سے رکھ دی۔ ہرن چل نکلے اور چاند چھپا۔ صبح ہوئی۔ سورج نکلا۔ تب اس بیراگی نے کام کندلا سے کہا کہ "ہمیں رخصت دو تو ہم رستہ پکڑیں"۔

وہ بولی کہ "میں تو مرتے دم تلک اپنے منہ سے نہ کہوں گی سہ

۴۷۔ ہندو دیو مالا میں ایک تصور یہ ہے کہ چاند رتھ پر سوار ہے اور اس رتھ کو ہرن کھینچ رہے ہیں۔ یہاں اس خیال کو پیش کر کے اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ مادھو کے راگ کا اثر آسمان تک پہنچا اور چاند کے رتھ کے ہرن تک اس سے مسحور ہو گئے۔

ہو چکی وصل کی شب اشک ہمارا نکلا
رات آخر ہوئی بس صبح کا تارا نکلا

وہ زبان گویا نہ ہو جو تجھے جانے کو کہے ، اور وہ آنکھ نابینا ہو جو دوست کا جانا دیکھے‘‘۔

جب یہ دیکھا کہ کسی طرح جانے نہیں دیتی تب تو دھوتی اور پوتھی اٹھا ، بین کاندھے پر رکھ چلنے کا ارادہ کیا ۔ کام کندلا نے ہاتھ اس کا پکڑ لیا ۔ اور کہنے لگی ’’کیا تو مسافر دوست ہوا تھا کہ میرے دل کو لوٹ کر لے چلا ۔ پہلے مجھے جوہر کر۴۸ تو پیچھے کہیں جا !‘‘۔

یہ کہتے آنسوؤں کی ایسی جھڑی لگی کہ تمام تن بدن اس کا بھیگ گیا ۔ وہ دو دن کی دوستی جدائی کے وقت اس کے جی کا جنجال ہو گئی ۔

پھر گھبرا کر بولی کہ ’’تم نے نیہہ کی ناؤ کا گن ہاتھ میں لے کر اس کو جدائی کے سمندر میں چھوڑ دیا ۔ بدون گن کھینچے کشتی کنارے نہیں لگتی ، اور بغیر ملاح کے نہیں چلتی ۔ تو ہی اس کشتی کا کھینے والا ہے ۔ جو تو جائے گا تو میں ڈوب جاؤں گی ۔ کیونکہ اس دریا میں بہت سی دکھ کی لہریں اٹھتی ہیں ۔ اگر مجھے ڈوبنے سے بچایا چاہتا ہے تو اکیلا نہ چھوڑ اور میرے پاس سے نہ جا !۔ یہ ممکن نہیں کہ تجھ بن یہاں رہوں ۔ میں بھی پیچھے تیرے کنٹھا جھولی لے ، بھبھوت مل ، مندرا۴۹ پہن ، جوگن ہو ، تپشی کے بھیس بن بن پھروں گی ۔ تیرے ہی گن گاؤں گی ، اور گورکھ گورکھ

۴۸۔ ہندوؤں اور خصوصاً راجپوتوں کے یہاں یہ رسم تھی کہ جب انہیں جنگ میں کامیابی کی امید باقی نہیں رہتی تھی تو وہ اپنی عورتوں کو مار ڈالتے تھے اور خود لڑتے لڑتے مر جاتے تھے ۔ اس رسم کو جوہر کہتے تھے ۔

۴۹۔ مندرا ان بالوں کو کہتے ہیں جن کو سادھو اپنے کانوں میں پہنتے ہیں ۔

گھراؤں گی ۔ غرض روئے زمین کے سارے تیرتھ پھروں گی ۔ قرار جی کو جب ہووے گا جب تجھ سے ملوں گی ۔ کھنڈ کھنڈ۔٥ تیرت کروں اور کاشی میں بھی کروٹ لوں ۔ من میں یہی ارادہ کر کے کہ جب جیوں تجھ کو ڈھونڈھوں اور ملوں ۔ بہتر یہ ہے کہ تو مجھے برہ کے پھندے میں نہ پھنسا ۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جا ۔ اے دوست مسافر! کوئی بھی محبت کی راہ میں دغا دیتا ہے ۔ مجھے مت چھوڑ ! ساتھ لے چل !"۔

کام کندلا کی یہ باتیں سن مادھو آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور بولا "میرا ہاتھ چھوڑ دے !" ۔

وہ کسی طرح نہ چھوڑتی تھی ۔ ندان سکھیوں نے چھڑا دیا ۔ وہ من مار کے رہ گئی ۔ اور بچھڑنے سے یار کے اس کی یہ حالت ہوئی گویا کہ جی گیا اور تن رہ گیا ، جیسے سانپ جاوے اور کحلی رہ جاوے۔

آخر غش ہو کر زمین پر گر پڑی ۔

٥۔ کھنڈ کھنڈ تیرت کرنے کا مطلب ہے مختلف ملکوں اور علاقوں میں جا کر عبادت اور ریاضت کرنا ۔

۸

تب سکھیوں نے اسے اٹھا کر پلنگ پر لٹایا۔ پھر اس کا بدن تمام ٹھنڈا ھو گیا۔ ھونٹ سوکھ گئے۔ ایسی بے خبری ھوئی کہ اپنے درد کی سرت نہ رھی۔ بدن اس کا ھو گیا بے سانس۔ سکھیوں کو اس کے جینے کی نہ رھی آس۔ تو بھی اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے اور دوا دارو کرنے لگیں۔ جب کچھ فائدہ نہ ھوا تب تدبیر سے تھکیں۔ رونہاک ھو کر کہنے لگیں کہ ”اِسے برہ کے سانپ نے ڈسا ھے۔ اس کا ھم پاس منتر نہیں۔ مگر کانوں سے لگ کر اس کے دوست کا نام جَپو سب!“۔

یہ بات من میں ٹھہرا مادھو مادھو پُکاریں۔ اس نام کے سنتے ھی ھوش میں آئی۔ آنکھیں کھول چاروں طرف دیکھا۔ جب مادھو نظر نہ آیا۔ پھر درد دوری سے حال اس کا ایسا تغیر ھوا جیسے کنول بِن تالاب مرجھائے اور مچھلی بن پانی تڑپنے لگے۔

غرض کتنی دیر میں بحال ھو کہنے لگی ”کیسا میرا دل پتھر ھے کہ یار کے جاتے ھی ٹکڑے نہ ھوا اور جی بھی ایسا بے حیا ھے کہ اس کے ھاتھ سے نکل نہ گیا۔ یہ سچ ھے ؎

جسے عشق کا تیر کاری لگے اسے زندگی جگ میں بھاری لگے

حیف ھے کہ وہ جاوے اور میری جان نہ جاوے۔ تعجب ھے کہ ایسے درد جدائی کے سہوں اور میں اب تلک جیتی رھوں۔ وہ دوست بروگ پونجی سکھ اور چین کی لے گیا۔ آنکھیں اور جان و تن جدائی کے بس میں ھو، دکھ سہنے کو رہ گئے۔ اب دیکھئے وہ دل کی نگری کا لوٹنے والا کچھ میری تسلی کو کب بھیجتا ھے سندیسا“۔

یہ کہہ کر یوں بولی ”سچ ہے جو پردیسی سے پیت کرے تو پھر وہی دکھ بھرے۔ مشہور ہے کہ جوگی، بھونرا، پردیسی تینوں اپنے نہیں ہوتے۔ ایک پل میں دل موہ لے جاتے ہیں۔ دوست کر، دوست کا دکھ درد نہیں جانتے اور ملتے وقت بچھڑنے کا دل میں اندیشہ نہیں لاتے۔ جیسے چکور کے دکھ کو چاند نہیں جانتا، اور وہ اُس بغیر اندھیری رات بے کلی سے سر ہے دھنتا۔ یوں ہی مادھو بن شب و روز درد فراق میں گرفتار تھی لیکن جب رات ہوتی تو گھر سے باھر اور باھر سے اندر گھبرائی گھبرائی اُدھر کی ادھر اور ادھر کی اُدھر پھرتی۔ کبھی اُس کا نام لے لے کر پکارتی۔ کبھی دیوانی سی رو رو چیخیں مارتی؎

آباد تم نے اور کہیں کا نگر کیا
جوں شمع ہم نے زیست کو رو رو بسر کیا

آتش فراق سے شعلے کی مانند جلتی۔ کف افسوس ملتی۔ نہ رات کو نیند نہ دن کو بھوک۔ اور جدائی کے تپ کی بھڑک سے سیج پر نہ سوتی۔ تمام رات منہ ڈھانک ڈھانک روتی۔ تب کہیں صبح منہ دکھاتی اور دن کی شکل نظر آتی۔ جب دن ہوتا تو رات رات جپتی اور رات ہوتی تو دن دن رٹتی۔ از بس کہ درد جدائی نے اُس کے دل میں گھر کیا تھا۔ آٹھوں پہر بیتاب رہتی تھی۔ ہر آن اپنے پر دکھ سہتی دھیان گیان بدیا سب بھول گئی تھی۔ ناچنا، گانا، سگھڑائی چترائی کچھ یاد نہ رہی۔ حق ہے کہ برہ کی پیڑ جس کے تن کو لگے وہ سوکھ جائے اور اُس کے ست۱۰ سوکھ جائیں۔ چاؤ اور خوشی کبھی گرد نہ آئیں۔ جس کے بدن میں یہ بلا رہے وہ زندگی میں بھی مرتا رہے۔

القصہ وہ جی ھارے من مارے رہتی تھی پر اپنا درد دل کسی

۱۰۔ ست ہندی لفظ ہے جس کی اصل سنسکرت ہے۔ اس کا مطلب ہے روح یا جوہر حیات۔

سے نہ کہتی تھی - گھڑی ہوش میں آتی تھی کبھی بے ہوش ہو جاتی - ہر دم اُسے سانپ کے کاٹے کی سی لہریں آتی تھیں- آنسو آنکھوں سے لال لال نکلتے تھے اور استخوان آسانی سے سانس لیتے ہلتے - رنگ زرد تھا - لہو بدن کا سوکھ گیا تھا - ضعف اسی قدر تھا کہ ہوا کا لگنا بھی اُس کو ایک صدمہ تھا - غرض ایسی بے حال ہو گئی تھی کہ سکھیاں غش میں اُسے دیکھ کر 'مر گئی مر گئی' پکار اُٹھتیں اور کبھی گلاب کے چھینٹے دینے لگتیں اور پانی منہ میں چواتیں- گھڑی چندن گھس گھس بدن پر لگاتیں - پھولوں کی سیج پر سلاتیں- تد بھی وہ عشق کی آگ سے جلی، جلی ، پکارتی - چاندنی اور رات کی ٹھنڈی ہوا اُس کے بدن کو آگ سی لگتی تھی - کوئل اور مور کی آواز دل کے گھاؤ پر زہر کا سا اثر کرتی - اس کے کبت اور کہانیاں ، گیت اور باجے حق میں اُس کے سم تھے -

سچ ہے کہ جتنی لگانے اور سننے کی چیزیں ہیں سکھیوں کو سکھ دیتی ہیں اور دکھیوں کو دکھ -

۹

قصہ کوتاہ کام کندلا کے بچھڑنے سے مادھونل کو بھی دکھ بھاری ہوا اور تیر عشق کا اُس کے دل پر بھی کاری لگا۔ برہ کی تپ سے اُس کی جان بے تاب جلنے لگی اور دم بہ دم منہ سے آہ نکلنے لگی۔ بن بن دیوانوں کی طرح پھرتا تھا۔ روتا اور آنسوؤں کے پانی سے سینے کے داغ دھوتا۔ درد جدائی کی شدت سے ایک پل اُسے آرام نہ تھا۔ اضطرابی اور بے قراری کے سوا کچھ اور اُسے کام نہ تھا۔ کبھی بین بجا کر اپنے سوکھے بدن میں مانند درخت خشک کے آگ لگاتا۔ اور کبھی وہ بروگی اپنے من میں چنتا اس طرح کرتا تھا جیسے جوگی گورکھ۵۲ کے گیان میں دھیان لگائے رہتا ہے۔ واقعی یہ سمندر فراق کا نہ کنارہ رکھتا ہے نہ تھاہ! احوال اُس کا نہ بیان کیا جاتا ہے نہ لکھا۔ جو کوئی اُس میں گرے، ہر چند کہ دانا ہو پر دین دنیا کی اُسے مطلق خبر نہ رہے۔ اور برہ کا سانپ جس کو ڈسے وہ جیتا ہرگز نہ بچے۔ قسم ہے یہ جدائی کی آگ جس کو لگے نہ بجھے، بلکہ بھڑکتی ہی رہے۔ سو ہی آگ مادھو کے بھی تن میں لگی تھی۔ اُس کے سوز سے جلتا ہوا صحرا بہ صحرا پھرتا تھا۔ بس کہ دل و جگر و پوست و استخواں جلتے تھے۔ سانس اُس کے منہ سے دھواں سا نکلتا تھا۔ برہ کی ہوک دل میں اُٹھتی تھی، آنسو آنکھوں میں بھر لاتا تھا۔ اور ناتوانی اس قدر تھی کہ سوکھے پتے کی طرح جنگل کی باؤ سے کبھی ادھر جا پڑتا کبھی اُدھر۔ اگر کانٹا پاؤں میں چبھتا تو اُف بھی نہ کرتا پر درد فرقت سے ڈاڑھیں مار مار کر روتا۔ غرض اُس کی

۵۲- گورکھ ناتھ ہندوؤں کے یہاں بہت بڑے سادھو، یوگی اور پہنچے ہوئے انسان تصور کئے جاتے ہیں۔

آہ و زاری سے جنگل کے وحشی آرام نہ پاتے تھے اور درندوں گزندوں میں سے کوئی اُس کے پاس نہ آتا - اور جو کوئی آتا تو اُس کی آگ کی لپٹ سے پھر بھاگ جاتا - اور اُس برہ کے مارے کی یہ صورت تھی آنکھیں آنسوؤں سے بھریں ، چہرہ زرد ، ھاتھ پاؤں ٹھنڈے ، جگر گرم ، لہو خشک ، مارے دبلاپے کے ھڈیوں میں چمڑہ لگا ھوا، نہایت نڈھال ، خستہ حال ، نہ بھوک نہ پیاس ، میلے کپڑے، جی اُداس -

قصہ کوتاہ اُسی حالت میں جوں توں اپنے تئیں سنبھال کر جی میں یہ کہنے لگا "اگر اس بن میں درد جدائی سے مر جاؤں تو کام کندلا کو پھر کہاں پاؤں - اس سے بہتر یہ ھے کہ ایسے شخص کی تلاش کیجئے جو اپنے دکھ درد کو پہنچے اور کام کندلا سے ملا دے - جو لوگ دولت کو دیتے ھیں اور بیت۵۳ دور کرتے ھیں، مشکل کے آسان کرنے والے ھیں - اُن کا ھی نام جہاں میں روشن اور جینا بھی اُن کا ھی لطف رکھتا ھے جیسے راجہ رام چندر، راجہ بھرتری ، راجہ بل ، راجہ کرن تھے - حیف کہ اُن میں سے کوئی نہیں جو میرے درد کو پہنچے اور اس دکھ سے چھڑاوے - مگر ایک راجہ بکرماجیت اُجین میں سنتے ھیں - بہتر یہ ھے کہ اُس پاس چلئے شاید وہ اپنے یہ درد دل کی دوا کرے اور اس بلا سے نجات ملے" -

یہ سوچ کر بین اور برہ کو ساتھ لئے ، نیند ، بھوک پیاس بس لئے ، اُس جنگل کو چھوڑ اُدھر کا راستہ لیا - منزلیں طے کرتا ، دن رات دکھ بھرتا ، چند روز میں متصل سواد اُجین کے جا پہنچا تو دیکھتا کیا ھے کہ ایک دریا موج مار رھا ھے اور سبزہ لہرا رھا ھے - از بس کہ اُس کے گرد و نواح میں کوئیں اور تالاب ھیں - باغ زراعت وھاں کے سرسبز و شاداب - وھاں سے آگے جو بڑھا تو شہر بہ

۵۳- بیت دراصل ھندی لفظ بھیت ھے جو ڈر اور مصیبت کے معنوں میں استعمال ھوتا ھے-

درجہ آباد دلچسپ نظر آیا ۔ بازار اس کا نہایت خوش اسلوب اور عمارات حد سے زیادہ خوب ۔ حویلیاں وہاں کی سونے سے منقش اور جواہر نگار ۔ ہر ایک مکان رکھتا تھا نئی طرح کی بہار ۔ کوٹھوں اور دیواروں پر سنہرے کلس جگمگا رہے تھے ۔ اور بادلے کے نشان پھرا رہے تھے ۔ بیت ؎

ہر ایک قصر ایسا عالیشاں
قصر قیصر کا پست ہوئے جہاں

اور لوگ وہاں کے تمام مال و منال سے ایسے آسودہ تھے کہ غنی غریب پہچانا نہ جاتا تھا ۔

۱۰

غرض مادھو ہر ایک کوچۂ و بازار کی سیر کرتا ہوا راجہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا تو دیکھتا کیا ہے کہ راجہ محل بڑا عالیشان سونے کا ہے ، اور جواہر اُس پر اس بہتات سے جڑا گویا کیلاش پربت سا جگمگا رہا ہے اور دروازے پر عامل و فوجدار جگہ جگہ کے اور راجے پنڈت ملک ملک کے حاضر ہیں - جو حکم پاتا ہے وہ حضور میں مجرے کو جاتا ہے - یوں ہر ایک جا نہیں سکتا -

یہ حال دیکھ کر ہوا اُداس اور راجہ کے ملنے کی چھوڑی آس - ناچار وہاں سے پھرا اور گلی کوچے کا رَستہ لیا - دن کو تو بے حواس چاروں طرف پھرتا اور رات کو رو رو آہیں بھرتا - روز و شب جی پ دکھ سہتا - پر اپنا درد دل کسی سے نہ کہتا - پھر کتنے دنوں کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ ایک مہا دیو کا مندر بلور کا بنایا ہوا ہے کہ اُس میں راجہ بکرماجیت ہمیشہ پوجا کو آتے ہیں - بے تابی سے گھبرا کر وہاں گیا اور اُس کی دیوار پر یہ دوھرا لکھا _ نہ راجہ رام چندر ۵۴ ہے جسے سیتا کا فراق ہوا تھا نہ راجہ نل جسے دمینتی سے جدائی ہوئی تھی ، نہ راجہ پنڈر ہے جو آربسی سے بچھڑا تھا - راجہ بھرتری بھی نہیں جو پنگلا سے جدا کا ہو جوگی ہوا تھا - یہ سب کے سب جہاں سے برہ کا جوگ کر کے اُٹھ گئے - اب کون ہے جو میرا دکھ سمجھے اور رنج کو دور کرے - اور وہاں سے گیا -

اتنے میں راجہ بکرماجیت پوجا کے واسطے آئے اور پوجا پر کرما ۵۵

۵۴- ہندوؤں کے یہاں رام اور سیتا ، نل اور دمینتی ، پنڈر اور آربی ، بھرتری اور پنگلا کی محبت کی کہانیاں بہت مشہور ہیں-

۵۵- پر کرما ہندی میں پوجا کے وقت طواف کرنے یا گھومنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے - بعض لوگ اس کو پیکرما بھی کہتے ہیں-

(بیکرما) کے واسطے مندر کے گرد پھرنے لگے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک دوھرا مندر کی دیوار پر لکھا ہوا ہے ۔ اُسے پڑھ کر بولے کہ " میرے شہر میں کوئی ایسا بروگی آیا ہے جو برہ کی آگ سے آٹھ پہر جلتا ہے ۔ "

پھر اپنے مصاحبوں سے کہا "وہ لوگ عجیب طرح کے بے وقوف اور نادان ہوتے ہیں جو اپنا دل پرائے ہاتھ دے ، کسو کی شرم و حیا نہیں کرتے ، اور سب کچھ چین اپنا چھوڑ کر برہ کے دکھ بھرتے ہیں " ۔

یہ کہہ کر حکم کیا کہ " دیکھو ! وہ برھی کہاں ہے ؟ میرے شہر میں جو کوئی دکھی رہے گا مجھے (ساکا بند بکرم)۵۶ مجھے گوبند بکرم کون کہے گا ۔ مجھ کو یہی چاہئے کہ جس وقت آفت زدہ دکھیا کو پاؤں یا سنوں تو اُس کا دکھ درد دور کروں ۔ تم میں سے جو کوئی اُسے ڈھونڈ لائے گا تو بہت سا انعام پائے گا " ۔

پرائے دکھ کو وہی جانتا ہے جس پر دکھ پڑا ہو اور جو اپنے دست قدرت کے وقت محتاج کی دست گیری کرتا ہے اُسے محتاجی کبھی پیش نہیں آتی ۔

حاصل یہ کہ وہ راجہ دکھ کا دور کرنے والا اور دیا کا سمندر تھا ۔ پرائی پیڑ سن کر منہ اُس کا پیلا ہو گیا ۔ پل پل دل میں چنتا کرنے لگا اور کھانا پینا چھوڑ کر کہا " جب تک وہ شخص نہ ملے گا یوں ہی رہوں گا ۔ "

یہ سنتے ہی زن و مرد اُس کی تلاش کے واسطے راجہ کے حضور میں آئے ۔ تب سبھوں کو اُس نے برہ بیوگی کے لچھن بتلائے ۔ پھر تو وے ہر کوچۂ و بازار میں ، گھر گھر در در متلاشی ہو، جا بہ جا پھرنے لگے ۔ اور ایک کٹنی بھی گیان متی نام اُس کی تلاش میں نکلی تھی

۵۶۔ خاندانی اور بہادر

ڈھونڈتی ڈھونڈتی مہادیو کے مندر پاس آ پہنچی اور اتفاقاً مادھو بھی وہاں وارد تھا - دیکھتی کیا ہے کہ ایک شخص ہے کہ تن و توش اُس کا تحلیل ہو کر بدن خشک ہو گیا ہے - اور آنسو آنکھوں میں بھر بھر لاتا ہے - اور گھڑی گھڑی ٹھنڈی ٹھنڈی سانس لیتا ، اُداس اور بے حواس بیٹھا ہے - کبھی گاتا کبھی بین بجاتا ، کبھی روتا اور کبھی کام کندلا کا نام لے لے پکارتا - لباس گلے کا میلا - سر کے بال بڑھے ہوئے - نہایت بری حالت ، رنگ زرد ہے - خون بدن میں نہیں - گوشت گھل کر ہڈّی چمڑہ رہ گیا ہے - اور نا توانی سے یہ نوبت پہنچی ہے کہ پاؤں سے سر ملتا ہے -

یہ احوال دیکھ گیان متی نے اپنے دل میں کہا " ہو نہ ہو یہ وہی شخص ہے کہ جس کے دکھ سے راجہ کو دکھ ہے - اسی سوچ میں کھڑی تھی کہ اتنے میں دس بیس سکھیاں اُس کی اور بھی ڈھونڈتی ہوئیں وھیں آن پہنچیں -

تب اُن سے ان نے کہا " یہ وہی ہے جس کو سب رنڈی مرد ڈھونڈتے پھرتے ہیں - غرض اب یہی بہتر ہے کہ اسے یہاں سے ہاتھوں ہاتھ حضور میں لے چلو کہ ہمارے راجہ کو سکھ ہو " -

۱۱

مادھو یہ سب چپکا سنا کیا اور کچھ نہ بولا - پر جو کوئی احوال اُس سے پوچھتا تو نظریں نیچی کر درد دل سے وہ ٹھنڈی ٹھنڈی آھیں بھرتا - یہاں تک اپنے معشوق کی تصویر میں مصروف تھا کہ نہ کچھ کسی کی بات سنتا تھا نہ کہتا - جیسے جوگی اپنے گرو کے دھیان میں رھتا ھے ویسے ھی یہ بھی اپنے دھیان میں اُس کی دوستی کی مالا پھیرتا تھا - اور منتر کی جگہ اُس کا نام جپتا - بیت

عاشق کو اُس کے یارو کوئی کچھ کہا کرے
پر وہ اُسی کے نام کی سُمرن جپا کرے

تب گیان متی نے اُس سے کہا " اے بیراگی ! برہ کے بس میں ھو کر گوسکھ کی دولت سب چھوڑی پر دل کھول کر بولو اور اپنے درد کی باتیں کہو - کیوں چپکے ھو ؟ تمہیں اُسی کی قسم ھے جس کی جدائی میں یہ حال بنایا ھے اور سکھ آرام گنوایا ھے - حجاب کو اُڑا دو اور خاموشی کا پردہ اُٹھا دو " -

مادھو اُس کی قسم مان کر جدائی کا احوال اور کام کندلا کی دوستی کا قصہ کہنے لگا - پھر اس طرح سے کہ ایک دم کہتا اور ایک پل روتا - کنول سی آنکھوں کو آنسوؤں سے دھوتا -

سچ ھے دکھ کی باتیں جس کے آگے دکھیا کہتا ھے اُس کو بھی دکھ کا اثر ھو جاتا ھے اور سکھ جاتا رھتا ھے - دکھ کے سمندر میں وھی گرتا ھے جس کے دل کو دکھ کی لاگ ھوتی ھے -

غرض کہ اُس کی پیڑ سکھیوں کے بھی دل کو لگ گئی اور برہ کی تپ سے سب کی گات۷۰ جلنے لگی اور تمام بدن پسیجنے - آنسوؤں سے

۷۰- گات ھندی میں جسم کو کہتے ھیں-

انگیا اور آنچل بھیگے۔

صدقے جائیے اُن کے جو بیگانے درد کو اپنا کر جانتے ھیں اور پھٹے منہ اُن کا ھے جن کے دلوں میں پرائی پیڑ اثر نہیں کرتی۔ جیسے پانی پتھر میں نہیں بھدتا٥٨۔

پھر گیان متی نے کہا ''ہم راجہ بکرم کی لونڈیاں ھیں۔ تمہارے ڈھونڈنے کو ہم سب کو بھیجا ھے۔ اور تمہارے دکھ سے وہ آپ بھی دکھ میں ھے۔ بہتر اب یہ ھے آؤ راجہ پاس چلو۔ تمہارا مقصد پورا ہوگا''۔

یہ سب کچھ سمجھا کر اُسے حضور میں لائیں اور عرض کیا ''یہ وھی برھمن درد مند ھے کہ جس کے دکھ سے آپ کو بے چینی تھی''۔

تب راجہ نے برھمن جان کر اُس کی بہت سی تعظیم و تواضع کی اور اپنے پاس بٹھایا اور منہ اُس کا تک رھا کہ سر سے پاؤں تلک برہ کی اگن میں جلتا ھے اور محبت کے سوز سے گلتا۔

کہنے لگا ''کام دیو بھی کیا مورکھ ھے جو کندن سی دیہہ کو نیہہ کی آگ سے جلا کر راکھ کر ڈالتا ھے''۔

پھر بولا '' اے باھمن دیوتا! جو کچھ کہو اُس کو بجا لاویں زہے نصیب ھمارے کہ تم نے ھمیں درسن دیا۔ سچ کہو کہاں سے تم آئے ہو؟ اور کیا تمہارا نام ھے؟ اور کس کے عشق سے دولت دنیا چھوڑ کر فقیری اختیار کی؟ پر خاطر جمع رکھو کہ ایشر تمہارا مطلب پورا کرے گا''۔

تب کہنے لگا کہ ''میرا نام مادھو نل ھے۔ بید سنگیت

٥٨- پانی پتھر میں جذب نہیں ہوتا یا سماتا نہیں۔

بیاکرن ، سامدرک ، جوتش، رس ، گیتا کوک کاویہ ، آگم نپگل۵۹ ان سب کو پڑھا ھوں ۔ اور بین مردنگ سے لے دنیا میں جتنے باجے ھیں سب کو بجاتا ھوں ۔ راگ راگنی کو بھی ساتھ دانست کے گاتا ھوں ۔ تمام جانوروں کی بولی سمجھتا ھوں ۔ جہاں کے گر اور بدیا سے ماھر ھوں ۔ اور پوہ پاوتی نگری ، جہاں کا راج راجہ گوبند چند کرتا ھے ، وھاں کا رھنےوالا ھوں ۔ پہلے تو راجہ نے میرا بہت سا آورمان۶۰ کیا ۔ پھر دیس نکالا دیا ۔ میں اداس ھو کر وھاں سے جا بجا سیر کرتا ھوا کام وتی نگر میں آیا ، جہاں کا راجہ کام سین ھے کہ جس کا وصف جن و بشر کرتے ھیں ——اور اس کے شہر میں کام کندلا نام ایک کنچنی رھتی ھے ۔ وہ سنگیت کے علم میں ایک ھے اور شکل و شمائل میں نیک ۔ چاند اُس کے منہ سے شرمندہ اور سورج اُس کی چمک کو لگ نہیں سکتا ۔ ایک ذرہ آنکھیں مہری لگ رھی ھیں ۔ اُس کے روپ سے عقل ، چترائی اور گن سب کے سب جاتے رھے ۔ اے راجہ ! جس دم میں دنیا میں پیدا ھوا تھا اُسی دم ھما نے میرے دل کی لوح پر عشق لکھ دیا تھا ۔ اُسی میں اُس کو ایک دم بھولتا نہیں ھوں ۔ اور اسی کا تصور آٹھ پہر رھتا ھے ۔ جدھر دیکھتا ھوں وھی نظر آتی ھے ۔ غرض اُس کی صورت نے میری آنکھوں میں آن کر جی نکال لیا اور دل میں گھر کیا ۔ سدا میرے نین اُس کے درشن کو ترستے ھیں اور جی ملنے کو تڑپتا ھے ۔ حیف ھے کہ بھگوان نے مجھے پر نہ دئیے ۔ اگر ھوتے تو اُس کے پاس اُڑ کر پہنچتا ‘‘ ۔

۵۹۔ وید ، موسیقی ، صرف و نحو ، نجوم ، جنس ، شاعری ، مذھب اور عروض کے علوم ۔

۶۰۔ آورمان کا مطلب ھے خاطر ، تواضع ۔

۱۲

جب اُن نے تمام اپنا درد دل کا کہا ساری مجلس راجہ کی بھیچک رہ گئی۔ بلکہ جتنے پنڈت گنی اور دانا تھے، وے بھی حیران سے منہ دیکھ کر اُس کا رہ گئے۔ راجہ بھی حیرت میں آیا پر اُن نے اتنا کہا کہ "پنڈت جی! تم سب کے سردار ہو اور سب گنوں سے خبردار۔ جس کو چاہو بات میں موہ لو۔ ایسا کون ہے جو تم کو موہے ٹک۔ ایک سمجھو کہ دل مانند لعل کی ہے اور جان کو اُس سے سکھ ہے۔ غیر کے ہاتھ ایسے جواہر کو دے کر دکھ لینا اچھا نہیں"۔

تب مادھو نے کہا "سنیے مہاراج! من تو جوں توں اپنے اختیار میں بھی رہ سکتا ہے پر یہ آنکھیں بڑی ذوتی۶۱ ہیں کہ اس کو بگانے بس کر کے جی کو بے چین کر دیتی ہیں۔ انھیں آنکھوں نے میرے دل کو بھی کام کندلا کے بس میں کر دیا۔ اور اُسی کے بچھڑنے سے میرا ان پانی چھوٹا ہے اور پل پل میں درد اُس کی جدائی کا بڑھتا ہے۔ چت کے اندر جو آگ ہے اس کا سوز اُسی میں رہتا ہے اور یہ اگن جس کو لگتی ہے وہی سہتا ہے۔

تب راجہ نے کہا "تم اتنے بڑے گنی ہو کر، حیف ہے، کسی سے دوستی کرو اور اُس کی محبت میں مرو۔ راجہ رائے جتنے ہیں سب تمھاری قدر بوجھتے ہیں اور چرن تمھارے پوجتے ہیں۔ اپنے تئیں دیکھو! اور اُسے سنتے ہو! بیسوا مال و دولت ہی تلک ہے آشنا مفلسی میں کسی سے نہیں کرتی وفا۔ اُس کی آنکھ ادھر ہے اور دل

۶۱۔ ذوتی غالباً ہندی کے لفظ جیوتی کی بگڑی ہوئی شکل ہے مطلب ہے روشن، چمک دار، تیز۔

آدھر۔ کسی سے لگاوٹ کسی سے رکھائی، کہیں بھولا پن کہیں چترائی۔ ایک دم میں یار ایک پل میں بیزار۔ اُس کی دوستی پر مت تھپاؤ اور بیسوا کی صحبت سے باز آؤ۔ بیت

کسو سے اشارہ کسی سے ہے بات
کسی سے ہے چشمک کسی سے ہے گھات

تب مادھو نے کہا "اے راجہ! تو اگر اسے میری آنکھوں سے دیکھے تو ان باتوں کا مطلق دھیان نہ کرے۔ راجہ! جو چیز جس کو بھاتی ہے وہ اس کی آنکھوں میں سہاتی ہے۔ وہ رو برو نہ ہو اگر تو بستی اجاڑ آوے نظر۔ اگرچہ دریا اور سمندر بہتے ہیں پر پپیہا سوات کی بوند ہی کو تکتا ہے۔ دن رات پانی میں رہتی ہے سیپی پر پیاسی ہی نیسان ہے پانی کے قطرے کی۔ ہر چند تارے آسمان پر بے شمار ہیں پر چکوریں چاندنی کی ہیں بیقرار۔ مچھلی بن پانی بے تاب ہو او بھونرا بغیر کنول کے خراب۔ کام کندلا بن مادھو کا یہ کچھ ہے حال۔ عشق ہوا ہے جنجال اے راجہ جلد سنبھال!"۔

تب تو راجہ بولا "اس بیسوا کی دوستی سے باز آ۔ میرا کہنا مان! تو باھمن تیرے وہ لائق نہیں ہے"

تب کہا اس نے "میں تو ابھی چھوڑ دوں۔ پر کیا کروں کہ دل میرے بس میں نہیں۔ مہاراج! کام کندلا نے میرا مال و دولت دل و جان لیا اور اس کے بدلے برہ کا دکھ دیا۔ جب تلک آنکھوں میں ہے جان اور تن میں ہے سانس تب تک نہ چھوڑوں گا اس کے ملنے کی آس۔ جب تک نہ مروں گا اور دوزخ بہشت میں نہ جاؤں گا پپیہے کی طرح کام کندلا ہی کا نام جپوں تھا۔ کیونکہ جو کوئی خام خیال رکھتا ہے اور بالہوس ہوتا ہے وہ دوستی کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ جن نے اگلے جنم میں ثواب کے کام کئے ہیں وہی دوستی

کی راہ میں قدم رکھتا ہے ۔ انسان تو سب ہی ہیں پر آدمی وہی ہے جس کو عشق ہو ۔ اور عاشق نہ ڈوبتا ہے نہ جلتا ہے ۔ غرض کسی طرح مرتا نہیں ۔ جس کے دل میں عشق کی گرمی ہے صاحب معرفت وہی ہے ۔ بدن مانند خانۂ تاریک کے ہے اور محبت اس میں مثل چراغ کے ۔ بیت ؂

سینے میں اپنے یوں ہے یہ دل کا داغ روشن
جیسے اندھیرے گھر میں ہووے چراغ روشن

جب محبت دل میں یار کی باتوں سے آتی ہے تب ایسی باتیں ظہور میں آتی ہیں"۔

آخر مادھو کی باتوں سے راجہ اور تمام مجلس کے لوگ رونے لگے ۔ اور جو کوئی یہ احوال سنتا تھا اس کے دیکھنے کو آتا تھا ۔ پر جو اس کو دیکھتا تھا اس کا دکھ اسے بھی ہوتا تھا ۔ تمام اجین میں جابجا یہی چرچا تھا ۔ جہاں چار رنڈی مرد بیٹھتے تھے تو یہی مذکور کرتے کہ اس شہر میں ایک بیراگی آیا ہے ۔ بہت خوبصورت اور چترا ہے ۔ لیکن سکھ اور چین تج کر دوستی کے عہد سے رات دن صندل سے بدن پر راکھ ملتا ہے ۔ اور آہوں کا دھواں اس کے منہ سے نکلتا ہے ۔ غرض اس کی خستہ حالی سن سن اور دیکھ دیکھ ہر ایک سر دھنتا تھا اور دریغ سے ہاتھ ملتا ۔

۱۳

ایک دن کا ذکر ہے کہ راجہ بکرماجیت اس کا ہاتھ پکڑ، رات کے وقت اپنے محل میں لے گیا۔ اور اس ٹھاؤ محل میں سونے کے چراغ ہر طرف ایسے روشن تھے جیسے ستارے۔ اس سبب سے اس مندر کی جوت مانند کیلاس۶۲ کے تھی اور اقسام کی خوشبویاں مہک رہیں تھیں۔ فرش ریشمی زعفران سے چھڑکا ہوا جابجا بچھا تھا، اور قرینے سے ایک سنگاسن بھی دھرا تھا۔ راجہ برہمن کو لے کر اس پر بیٹھا اور جس گن بدّیا اور علم و ہنر کی بات پوچھی مادھو نے بے تامل اس کا جواب دیا۔ تب راجہ نے اٹھ کر اس کے پاؤں دھو کہا کہ " میں تمہارا چیلا ہوں۔ جو مانگو سو دوں "۔

تب مادھو نے کہا " اگر آپ کو میری خوشی منظور ہے تو کام کندلا کو مجھے دلوا دیجئے کہ جس کی خاطر میں نے تن من دھن سب کھویا۔ اور دل کا لہو آنکھوں سے رویا "۔

پھر بے اختیار یوں کہنے لگا " اللہ مجھے پر دے تو اڑ کر دیکھوں "۔

تب راجہ نے دل میں غور کی کہ اس کا دھیان سوائے اس کے کسی طرف نہیں۔ اگر میں اس کو زبردستی رکھوں تو خوب نہیں۔ کیونکہ اس کے فراق میں اس کی جان جاوے گی اور مجھ پر ناحق ہتیا ہووے گی۔ بہتر یہی ہے کہ جسے یہ چاہتا ہے اسے دلا دیجئے۔

یہ اپنے جی میں ٹھہرا اور دیوان عام میں آ، پردھان کو یاد فرما، حکم کیا کہ " ہمارے ملک میں ڈھنڈھورا پٹوا دو اور جا بجا شقے

۶۲- کیلاس اس پہاڑ کا نام ہے جہاں ہندوؤں کے دیوتا شوجی رہتے ہیں۔

طلب کر کے لکھ بھیجو!"۔

اس نے بہ موجب راجہ کے حکم کے کیا۔

چنانچہ راجہ دیس دیس اور رسالہ دار وغیرہ چھوٹے بڑے نوکر اپنی اپنی تیاری کر، مستعد لڑائی کے ہو، حضور میں آن کر حاضر ہوئے۔

تب راجہ نے شہر کے باہر، ندی کے کنارے جا، ڈیرہ کیا۔ تمام فوج کا محلہ دیکھا تو بیس لاکھ سوار اور نو ہزار فیل نشین تھے۔ رتھوں کا اور پیادوں کا شمار نہ تھا۔ پھر ہاست بازار۶۳ کی تو کیا گنتی؟

غرض اسی فوج سے کام وتی نگری کو چلا اور زمین ہلنے لگی، اور سیس ناگ۶۴ مارے بوجھ کے کانپنے اور راجا دسوں دسا۶۵ کے، مارے دہشت کے تھرتھرانے لگے۔ گھوڑوں کے سموں سے ایسی دھول اڑتی تھی کہ آسمان زمین ایک نظر آتے تھے۔ اور راجہ جس کے ملک کی طرف گذرتا تھا وہ بھینٹ لے کر آن ملتا۔ لیکن سواری کے وقت آپ پیچھے ہوتا اور مادھو کو آگے رکھتا۔

دھن ہے ایسے سا کے بندراجا کو کہ جس نے پرایا دکھ دور کرنے کو اپنا دیس چھوڑا، اور برہمن کے واسطے گھر بار، سکھ چین، سب کچھ تجا۔

کوچ بہ کوچ چلا جاتا تھا۔

۶۳۔ ہاست بازار سے مراد ہیں ہاتھی۔

۶۴۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق یہ زمین ناگ کے سر پر کھڑی ہے۔ اس کو سیس ناگ کہتے ہیں۔

۶۵۔ دسوں دسا کے راجہ کا مطلب ہے مختلف سمتوں کے راجہ یعنی مختلف ملکوں کے راجہ۔

غرض چند روز کے عرصے میں اس مقام پر پہنچے کہ وہاں سے کام وتی نگر چالیس کوس رہ گئی تھی۔ ڈیروں داخل ہو راجہ نے اپنے دل میں کہا "دیکھوں وہ عورت کیسی ہے جس کے فراق میں یہ مرتا ہے۔ وہ بھی اس کے درد ہجر میں گرفتار ہے یا نہیں"

یہ سوچ کر، گھوڑے پر سوار ہو، تمام لشکر بھیڑ بنگاہ کو چھوڑ، شہر کی طرف اکیلا چلا مگر ایک خواص ساتھ ہو لیا۔ غرض پہر دن چڑھتے چڑھتے شہر میں داخل ہو، اور لوگوں سے کام کندلا کا پتہ پوچھتا ہوا اس کے دروازے پر پہنچ، گھوڑے پر سے اتر، حویلی میں جایا چاہتا تھا کہ دربان نے دوڑ کر خبر کی کہ "ایک شخص ڈیوڑھی میں کھڑا ہے۔ شکل اس کی راجوں کی سی ہے۔ پر معلوم نہیں کہ راجہ ہے یا کوئی بڑا آدمی۔"

یہ سن کر ایک چیری٦٦ جلدی اسے اپنے ساتھ راجہ کو گھر لے گئی اور چتر ساری٦٧ میں بٹھایا۔ اتنے میں وہاں دیکھتا کیا ہے کہ ایک عورت نہایت شکیل و حسین ہے لیکن تن بدن کی اسے اپنے خبر نہیں۔ کپڑے میلے، براحال، جی نڈھال، مادھو ہی مادھو کرتی ہے۔ پل پل میں چھپ چھپتی جاتی ہے اور دور چھا گت چلی آتی ہے۔ لہو گوشت پوست سوکھ رہا ہے۔ کندن سا مکھڑا پیلا پڑ گیا ہے۔ ناچنا گانا بجانا سب کچھ بھولی ہوئی ہے۔ سانس ہی دم بہ دم کی اس کو سولی ہے لیکن اس حال میں بھی اسی کا خیال رکھتی ہے۔

٦٦۔ چیری کے معنی ملازمہ۔

٦٧۔ چتر ساری ہندی میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اور بیٹھ کر باہم گفتگو کرتے ہیں۔

بہتیری راجہ نے دوستی کی باتیں کیں پر ان نے آنکھ بھی اس سے نہ ملائی اور ایک بات کا بھی جواب نہ دیا۔ مگر آنکھوں میں آنسو بھر بھر لائی اور پی پی گئی۔

آخر راجہ نے جھنجھلا کر کہا کہ " اتنا گھمنڈ کسی کو مناسب نہیں۔ اس کو زر سے کام ہے۔ اعلیٰ و ادنیٰ سے کیا مطلب ؟ پس ہر ایک سے چاہئے کہ لگاوٹ کرے اور اپنے بس میں کرے۔"

تب کام کنڈلا بولی " تم ایسی باتیں نہ کہو۔ میں نے اپنا جی اس باہمن کو دچھنا دیا ہے۔ اور آنکھوں نے میری دیکھنا تج کر برت لیا ہے۔ میں بولتی اسی سے ہوں جو میرے من میں بستا ہے اور اس کے دیکھنے سے آنکھوں میں ٹھنڈک ہوتی ہے۔ میرا تو من ، دھن جی وہی لے گیا ہے۔ اس کے بن مجھے سارا جگ سونا لگتا ہے۔ کسی بات کی مجھے سرت نہ رہی۔ گن روپ چھوڑ کر باؤلی ہو گئی۔ میری آنکھیں ادھر ہیں وہ ہے جدھر۔ پھر کس طرح سے کروں کسی پر نظر ! "

راجہ اس کا روپ دیکھ اور حال سن اپنے جی میں کہنے لگا۔ "یہ اس پر جان دیتی ہے۔ وہ اس پر جی دیتا ہے۔ اس کی جدائی سے وہ لٹ گیا اور اس کے بیوگ سے یہ لٹ گئی ہے۔ ایک کا من دوسرے سے لگ رہا ہے۔ ہر ایک کی آنکھوں کو ہر ایک کا دھیان بندھ رہا ہے۔ آٹھ پہر میں ایک پل نہیں سوتے۔ نسدن٦٨ جدائی کی پیڑ سے ہیں روتے۔ برہ کی ریت دونوں میں برابر پائی جاتی ہے۔ حالت ان کی ایک سی نظر آتی ہے۔ ان کی پیت کی ایسی ہے نیک جیسے نظروں کی راہ ہے ایک مالتی لگی ہے بھونرے کے رس میں اور اس باس میں ہے لگا٦٩۔ برہ کی سول٧٠ من ہر ایک کا سہہ نہیں سکتا۔ اس عورت کی

٦٨- نس دن بہ معنی دن رات۔

٦٩- اصل قلمی نسخے میں یہ جملے اسی طرح ہیں۔ اس میں کوئی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

٧٠- برہ کی سول سے مراد ہے درد فراق۔

جان اس مرد کے تن میں ھے اور اس کی جان اس کے بدن میں - پھر سمجھا کہ ان کی کپٹ کی نہیں ھے پیت ان دونوں میں وہ دیکھی جوسنی ھے دوستی کی ریت - اگر ان کی محبت جھوٹی ھوتی تو دونوں کے دل کا چین برہ کی پیر نہ کھوتی - ایسی چاھت پر جان مال سب گنوا دیجئے اور برہ کا درد اپنے دل پر لیجئے - جن میں کپٹ پردہ نہیں وہ دور ھوں یا نزدیک پر رھتے ھیں ملے - اس طرح کی پیت پر تن من دھن سب وارئیے -"

نِدان راجہ نے اس گھر کی دیرینہ بڑی بوڑھیاں جو تھیں، ان سبَ کو بلا کر پوچھا " کس کے واسطے اس کی سدھ بدھ گئی ھے اور کس کی محبت و الفت کی برہ کے بس میں پڑی ھے "؟

تب سکھیاں اس کا احوال رو رو کر بیان کرنے لگیں کہ " ایک مادھونل نام بِم بیٹا١ے تھا - اس کی برہ کی آگ میں جلتی ھے - وھی مسافر اسے ٹھگ گیا اور اس کے دل و جان کو اسی کا دھیان لگ گیا - کبھی بے حوش ھوتی اور کبھی ھوش میں آ رھتی ھے - پپیہے کے سے بچن - لہو اس کا برہ کی آگ سے سوکھ گیا ھے - اور سفید پڑ گیا ھے بدن - نہیں معلوم وہ بمنھیٹا٢ے موھن روپ بن آیا تھا یا اندر تھا - کہ اسے چھل گیا - یا کام دیو تھا کہ اس نے دیکھا - اس کی چاھت میں اس کی یہ حالت ھے کہ کسی سے بیان ھو نہیں سکتی - برہ کی ٹھنڈی سانسیں لے لے اپنی جان دے رھی ھے - رات بھر اس کی آنکھ جھپکتی اور دن کو بے تابی سے تڑپتی - غرض ھر وقت اس کے عشق میں دکھ بھرتی ھے اور جیتے جی مرتی ھے - دوست کے بیوگ سے یہ آنکھوں سے آنسو بہاتی ھے اور مَریچ٣ے کر اپنے تئیں خاک میں

١ے- بِم بیٹا کا مطلب ھے موسیقی کا بیٹا - مراد ھے ماھر موسیقی -
٢ے- بمنھیٹا نوجوان برھمن کو کہتے ھیں-
٣ے- مریچ کر کا مطلب ھے روشن ھوکر یا بل کر -

ملاقی ہے۔"

یہ سن کر راجہ نے واسطے آزمائش کے یہ کہا کہ "مادھونل کو ہم نے جوگی کے بھیس اجین نگری میں بیوگ بھرا دیکھا تھا۔ ندان بیوگ کی سول سے بہت دکھ پاکے مر گیا۔"

جب یہ بات راجہ نے تمام کی کام کنڈلا نے ایک پچھاڑ کھائی اور مانند پنگلا۴۷ کے تمام ہوئی۔

دوست کے مرنے کا جب حال جدائی میں سنا
آہ اس درد سے کھینچی کہ ہوئی جان ھوا

سکھیوں نے جو آکر دیکھا تو اس کے دانت بیٹھ گئے ہیں اور زبان اینٹھ گئی ہے۔ اور آنکھیں مچ گئی ہیں۔ پھر ایک نے نبض پر جو ہاتھ رکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ برسوں سے موئی پڑی ہے۔ وہیں بال بکھرا ڈاڑھیں مار مار سب کی سب رونے لگیں اور یوں کہنے " چنبیلی بھونرے کی جدائی میں سکھ کے پانی بن سوکھ گئی اور دکھ کا کانٹا کھا کر جھڑ گئی۔ پر اس کی برہ کا درد نہ سہہ سکی"۔

۴۷۔ پنگلا لکشمی کو کہتے ہیں جو ہندوؤں کے یہاں دولت کی دیوی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ لفظ یہاں اس خیال سے استعمال کیا گیا ہو کہ لکشمی ہمیشہ ایک جگہ نہیں رہتی۔ دولت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پنگلا بھرتری اور پنگلا کی کہانی کی ہیروئن پنگلا ہو جو اپنی عزت اور محبت کی خاطر جان پر کھیل جاتی ہے۔

۱۵

تب راجہ اپنے جی میں کہنے لگا کہ ”جس کے واسطے برھمن نے اتنے دکھ اٹھائے سو بات کی بات میں مر گئی۔ وہ بچن سنتے ھی ندان سر دھننے لگا اور پچھتانے لگا کہ مجھ سے بڑا پاپ ھوا۔ جو میں جانتا کہ سنتے ھی اپنی جان دے گی تو ھر گز اس سے یہ بات نہ کہتا۔ پر چوکا۔ گویا اپنے ھاتھ سے زھر دیا۔ اب اس باھمن کو کیا جواب دوں گا۔ جو وہ بھی یہ سن کر مر جائے تو دونوں کے عذاب میں گرفتار ھوں گا“۔

پھر سکھیوں سے کہنے لگا کہ ”اس نے ھجر کی تپ سے آنکھیں موند لی ھیں یا برہ کے سانپ نے اسے ڈسا ھے۔ میں گاڑرو۷ کو لے آتا ھوں۔ کیونکہ اس کی جان نکل نہیں گئی بلکہ آہ کے ساتھ غش کر گئی ھے۔ ابھی اس کے دن مرنے کے نہیں، اور یہ ھر گز نہ مرے گی۔ کس واسطے کہ جس کے بدن میں بیوگ آگ رھتی ھے اس کے تئیں موت چھو نہیں سکتی۔ اور اس کو اجل کیونکر آوے کہ برہ موت کی بھی موت ھے۔“

پھر راجہ کام کندلا کی جان کھو، سکھیوں کی تسلی کر، نراس ھو، من مار کر چلا۔ اور تین پھر رات بجے اپنی فوج میں آپہنچا۔

جیسے جواری دولت ھار جاتا ھے، جب صبح ھوئی، دربار کر بیٹھا اور مادھو کو بلا کر یہ بات کہی کہ ”جس کے واسطے یہ یہ قصہ ھوا وہ عورت بچن سنتے ھی مر گئی۔“

حب مادھو نے یہ سنا کہ کہ کام کندلا نے میرے بغیر جان دے

۷۔ گاڑرو کے معنی ھیں مداری یا منتر پڑھنے والا۔

دی ، سنتے ھی گھبرا کر اٹھ کھڑا ھوا - پھر زمین پر پچھاڑ کھا کر گرا ، اور ایک آہ بھر کے مر گیا - مالتی آگ کی گرمی سے جلتے سنی تھی - پر اس کے جلنے کا احوال سن کر بھونرے کو جلتے نہ دیکھا تھا - سو اچرج٧٦ یہاں دیکھا -

غرض اس کے گرتے ھی 'ھا ھا' کر ساری مجلس دوڑ پڑی - کوئی ناک بند کرنے لگا - کوئی آرسی دکھانے پنڈت گنی بید بہت سے دھائے - جوگی جتی اور گاڈرو آئے - دوا اور جڑی بوٹی ، منتر جنتر کر تھکے - پر کسی کی تدبیر نے اثر نہ کیا - سارا سریر ٹھنڈا ھو گیا - من سادھن اور جی سارتن سانس کے ساتھ گیا - علاج کرنے والوں نے جب دیکھا کہ کوئی فائدہ نہیں ھوتا ، اپنے اپنے گھر کی راہ لی - تب راجہ نے بے اختیار رو رو کہا "پہلے تو میں نے ایک رنڈی کی ھتیا کی - تس پیچھے اس باھمن کی - جو کوئی رنڈی کو مارتا ھے وہ بہت دکھ پاتا ھے - اور باھمن کے خون سے دوزخ میں جاتا ھے - حیف کہ مجھ سے یہ دونوں کام ھوئے - ناحق ان کی دوستی کو جھوٹ سمجھ کر میں کپٹ سے چھل کیا - اور دونوں کا جی لیا - اب بہتر یہ ھے کہ میں آپ جل مروں - سچ ھے کہ جنھوں نے ایک نیت٧٧ پوری کی ھے انھیں کسی طرح سے گناہ نہیں - بلکہ بگانی دوستی میں جو خلل کرتے ھیں ، وھی عذاب میں پکڑے جاتے ھیں -

اور تمام لشکر میں مادھو کے مرنے کا یہ شور وغل ھوا کہ ھاتھی گھوڑے چھوٹ گئے - بھوک پیاس سب بھول گئے - کھانے پکے پکائے پڑے رھے - فوج میں گھبراھٹ پڑ گئی - اور ھر ایک جا یہی چرچا تھا کہ وہ باھمن بات سنتے ھی مر گیا - جس کے کام کو

٧٦- اچرج بمعنی معجزہ یا عجیب بات -

٧٧- نیت کا مطلب ھے حکمت عملی - یہ بھی ھو سکتا ھے یہ لفظ یہاں آردو لفظ نیت کے معنی میں استعمال ھوا ھو -

راجہ نے یہ کچھ کیا ۔ پھر راجہ وہاں سے اٹھ کر ندی کے کنارے آیا ۔ اور چندن ملا ، گیرا گر منگوا ، چتا بنوا ، اس پر گھی چھڑکوایا ، اور بہت سا سونا گائیں دان کیں ۔

تب تو لوگ سمجھانے لگے " مہاراج ! تمہاری سلامتی میں سب کی سلامتی ہے ۔ ایک آدمی کے واسطے تمام عالم کا مرنا اچھا نہیں ۔ مثل مشہور ہے کوئی مرتے پیچھے نہیں مرتا ۔ اس کی اجل یوں ہی آئی تھی ۔ وہ مر گیا اب اس بات سے باز آئیے کہ تمہارے مرنے سے ہم سب خراب ہوں گے ۔ بگانے ملک میں آئے ہوئے ہیں ۔ ایسا نہ کرو جس سے جہان ہنسے ۔ کیونکہ دنیا دکھ کی جگہ ہے ۔ جس کی جو قسمت میں ہوتا ہے سو پاتا ہے ۔ اسے مرنا تھا مر گیا ۔ یہاں سے اٹھیے اور کٹک۷۸ میں چلئے ۔ نہیں تو ہم سبھی تمہارے ساتھ چلیں گے ۔ فوج میں کھل بلی پڑ رہی ہے ۔ تمہارے چلنے سے سب کی ڈھارس بندھے گی ۔ اور سنسار کی یہی ریت ہے ۔ ہزاروں جانیں پیدا ہوتی ہیں اور مرتی ہیں ۔ اس کا سوچ بچار کسی کو نہیں ہوتا ۔ پر راجہ کا مرنا سب کو دکھ دیتا ہے ۔"

تب راجہ نے کہا " سنو! اس طرح دھرم جاتا ہے ۔ اس جگ میں سب مرنے کو آئے ہیں ۔ اور اعلیٰ ادنیٰ کو موت ہی کھائے گی ۔ پر دھرم کی ریکھا کبھی نہ مٹے گی ۔ یہ ہمارا کام نہیں جو پرایا دکھ دیکھ سکیں ۔ اس میں ہمارا دھرم کرم نہیں رہتا ۔ اور جہنمی ہوتے ہیں ۔ پون کال تو سبھی کو کھائے گا پر دھرماتما۷۹ ہمیشہ جیتا ہے ۔ اور جس کو دنیا میں سب برا کہیں وہ جیتا ہی موا ہے ۔ پھر کیا مرے گا ۔ پاپی کا خدا نام نہ لواوے ۔"

۷۸۔ کٹک ہندی میں لشکر یا پڑاؤ کو کہتے ہیں ۔

۷۹۔ دھیر ماتما کے معنی ہیں نیک کام کرنے والا یا پہنچا ہوا آدمی ۔ خدا رسیدہ ۔

۱۶

یہ آن سب کو جواب دے، وہاں سے جا، ندی میں نہا دھو، دھوتی باندھ، بہت دان کیا، منہ میں تلسی دل اور گنگا جل لے بارہ تلک دئیے، سورج کو ڈنڈوت کر، چتا میں آکر بیٹھا۔

جب یہ خبر مرگ لوگوں میں پہنچی کہ راجہ بکرماجیت جیتا جلتا ہے تب دیوتا اربسی گندھرب کنسر اپنے اپنے تخت پر سوار ہو کر دیکھنے کو آئے۔ اور راجہ کا جو بڑا دوست بیر بیتال تھا وہ سنتے ہی سب سے پہلے آیا۔ چاہے کہ راجہ اس چتا میں آگ دے وہیں بیتال نے دوڑ کر راجہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا "توسا کے بندھ راجہ ہے۔ تجھ سے کانپتے ہیں سب دیوتا۔ آدمی سیس ناگ۔ کس واسطے تو جلتا ہے بگانے دکھ کے دور کرنے والے؟"

تب راجہ نے کہا "سن بیتال! میں نے بڑا پاپ کیا ہے۔ پہلے ایک عورت کو مارا۔ پھر باہمن ہتیا کی۔ اب موت کے فرشتے کے ڈر سے اور دوزخ سے جیتے جی جلتا ہوں۔"

تب بیتال نے کہا "راجہ تم مت جلو۔ تھوڑی بات کے واسطے کیوں اپنی جان دیتے ہو۔ میں جا کر ایک گھڑا امرت کا بھر لاتا ہوں اور دونوں کو جلاتا ہوں۔ دنیا میں بہت آدمی مرتے ہیں جو بدنامی سے ڈرتے ہیں اور برے وے ہیں جو اپنی برائی سن کے نَلَجے ۸۰ ہو، جیتے ہیں۔ اے راجہ! کیوں گھبراتے ہو؟ میں اب امرت لینے جاتا ہوں"۔

یہ بیتال نے کہا اور پیتال کو روانہ ہوا۔

۸۰- نلجے ہندی لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے شرمندہ ہونا۔

غرض وہاں پہنچ کر امرت کے کند میں سے ایک گھڑا بھر، راجہ کے پاس لے آیا۔ پہلے امرت مادھو کے منہ میں دیا۔ حلق میں اترتے ہی اس کے وہ اٹھ بیٹھا۔ اور 'کندلا کندلا' پھر رٹنے لگا۔

غرض مادھو کے جیتے ہی راجہ چتا سے آتر بیتال کے پاؤں پر گر کر کہنے لگا کہ "تو نے میری جان بچائی مگر آرام جب ہو کہ کام کندلا بھی جئے"۔

یہ کہہ کر شادیانے بجوائے اور ارب کھرب لٹائے۔ تمام فوج میں خوشی خورمی ہوئی اور رنڈی مرد کی چنتا گئی۔

یہ تماشا دیکھ دیوتا، آدمی، گندھرب، منی، گنی سب راجہ کی مضبوطی اور ساھس۸۱ پر دھن وھن کرنے لگے۔

پھر راجہ سونے کا گھڑا امرت سے بھر، بید کا بھیس بنا، کام کندلا کے دروازے پر جا کر کام بید کا پکارا۔ اور دربان اس کی آواز سن کر سکھیوں کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ "ایک بید آیا ھے"۔ سنتے ھی ان میں سے ایک سکھی دروازے پر آ اس کو اندر لے چلی۔ اور جی میں یہ کہتی تھی کہ "یہ بید ایسا ھے خوبصورت جیسے کاکی مورت۔ اس کے دیکھنے سے چاھئے اسے آرام ہو"۔

پنڈت بید بدیسی گنی، سندر وہ ایسا تھا کہ جسے سکھیاں پہلے تو دیکھ بھچک رو گئیں۔ پھر چت کر بہت سا آدر کیا۔ اور پاتبز۸۲ پر بٹھایا۔ پھر کام کندلا جہاں موئی پڑی تھی، وہاں سے اسے اٹھا لائیں۔ اس کے روبرو رکھ دیا۔

تب بید نے کہا "اسے نہ تپ ھے نہ جاڑا۔ نہ سن بات بلکہ کچھ روگ نہیں جو میں چنگا کروں۔ یہ مر گئی ھے اس کی کیا دوا۔ آگ

۸۱- ساھس بمعنی ھمت جرات۔

۸۲- پتنبر: ھندی میں ریشمی کپڑے کو کہتے ھیں۔

جلا ، پانی کا ڈوبا ، بلکہ آسمان کا گیا پھر سکتا ہے، اور جس کو برہ کے سانپ نے ڈسا ہے اس کا منتر جنتر کچھ نہیں''۔

پھر سکھیوں نے کہا ''جو اسے جلاؤ تو جو کچھ منہ سے مانگو وہی پاؤ۔ جو بید کہ موئے کو جلاتا ہے وہ برنبھ۸۳ کہاتا ہے''۔

یہ سن کر بید بولا ''بید آزاری کی دوا کرتا ہے نہ مردے کی''۔

غرض جب ایسے نراسے بچن اس نے سنائے تب سب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ندان اس کے مرنے کا یقین ہوا۔ تب تو رو رو زمیں پر پچھاڑیں کھانے لگیں۔ اور سر پر خاک ڈالنے۔

کہتے ہیں گن ، خوبصورتی ، چترائی ، تب ہی تلک ہے کہ جب تلک ہے جان جہان۔ دم نکل گیا تب اسی جسم کو سب کہتے ہیں مسان۔

۸۳- برنبھ کا لفظ ہندی میں خدا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۱۷

آخر کار یہ حال جو بید نے دیکھا تو اپنے جی میں ڈر کر کہنے لگا کہ ''مبادا ان میں سے بھی کوئی مر جائے تو کیسی بن آئے تب دلاسے دینے لگا کہ ''تم اتنا مت روؤ اور مت کڑھو ! اس کا میں کچھ علاج کرتا ہوں''۔

تب بہ زور جبڑا اس کا چیر کر امرت منہ میں چوایا۔ گلے اترتے ہی وہ بھی 'مادھو مادھو' پکارتی اٹھی۔ اور سکھیوں سے کہنے لگی کہ ''اتنے دنوں میں آج نیند بھر سوئی ، اور تھوڑا سا آرام ہوا''۔

تب سکھیوں نے کہا ''تو تو مر گئی تھی۔ اس بید دھنتر۸۴ نے تجھے جلایا ہے۔ نہیں معلوم یہ ہنونت۸۵ ہے یا کوئی مہابلی جس نے جس نے بیگانے کارن لاکھ کوس جا کر جیون مول۸۶ بوٹی لا ، جان بخشی کی''۔

یہ بات سن کام کندلا بہت سا خوش ہوئی اور سکھیاں بھی پخنت ہوئیں۔ پھر جو کچھ زر زیور جس جس کے پاس تھا ہر ایک نے بید کے آگے رکھا۔

تب اس نے ''میں دان نہیں لیتا ۔ بلکہ جو کچھ مجھ سے مانگو میں تم کو دوں۔ اور جو لالچی ہو اس کو دنیا میں جس نہیں ملتا''۔

تب کام کندلا نے کہا ''سنو صاحب! ہمیں تمہاری بید کی سی

۸۴- دھنتر یا دھنونتر ہندوؤں کے یہاں ایک بہت بڑے طبیب کا نام ہے جو مردوں تک کا علاج کر سکتا ہے۔

۸۵- ہنومان ، بہادر۔

۸۶- جیون مول بوٹی سے مراد وہ بوٹی ہے جو مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتی ہے۔

شکل نہیں معلوم ہوتی ۔ کوئی دیوتا ہو کہ بید کے روپ میں آ، تم نے میرے منہ میں امرت دے، جلایا ۔ تم اپنا احوال مجھ سے سچ بتاؤ۔ کون ہو کہاں سے آئے ہو جو میرے دل کا دھوکا مٹے؟''۔

تب راجہ کہنے لگا '' میں ساکے بندبکرم راجہ ہوں ، اور آجین نگری کے ملک کا مالک ۔ جس کو دکھی دیکھتا ہوں اس کا دکھ دور کرتا ہوں ۔ چنانچہ اس ملک میں مادھونل کے واسطے آیا ۔ پر کیا کہوں کیا کیا دکھ اٹھایا ۔ پھر تیری محبت آزمانے کو یہاں آ کر مادھو کے مرنے کی خبر دی ۔ جب تو سنتے ھی مر گئی تب اس کو واسطے آزمائش کے تیرے مرنے کی خبر پہنچائی ۔ جب وہ بھی مر گیا تب میں نے اپنے جلنے کی تیاری کر، چتا پر جا بیٹھا کہ اتنے میں بیتال آ پہنچا اور میرا ھاتھ پکڑ کہنے لگا 'تو کیوں جلتا ھے؟ میں امرت لا دونوں کو جلا دیتا ہوں ۔ پھر اُن نے مجھے تھوڑی دیر میں امرت لا دیا ۔ میں نے پہلے مادھو کو جلا دیکھا ۔ پھر تیرے کارن بید کا سوانگ بنایا اور تجھے بھی جلایا ''۔

جب راجہ سب یہ باتیں کہہ چکا تب کام کندلا راجہ کے پاؤں پر اپنے سر کو رکھ کے کہنے لگی '' یہ دنیا سمندر اتھاہ ھے اور تم اس کے جہاز ہو ۔ اے راجوں کے راجہ ! مہاراج ! جوبرہ کے گھاؤ کی دوا دیتے ھیں ، دونوں جہان میں جس۸۷ لیتے ھیں ۔ پر برے۸۸ ھی پنڈت ایسے ہوتے کہ پرائے دکھ درد کو پہنچتے ھیں اور بگانے گنوں کو بوجھتے ھیں ۔ ووھی دنیا میں بہتر ہوتے ھیں ''۔

یہ باتیں کہہ پھر کام کندلا ، بے اختیار ہو، راجہ سے گڑگڑا کر کہنے لگی کہ ''میرا سندیسہ مادھو سے کہنا ۔ گئی ہوئی جان پھر آئی ھے ۔ اگر اب کے گئی تو پھر نہ آئے گی ۔ غرض بدون تمہارے

۸۷- جبس بمعنی تعریف ۔
۸۸- برلے کا مطلب ھے گنے چنے ۔

میں نے دکھ اٹھائے بھاری ۔ پرتم نے کبھی جوگی بن کر بھی پھیرا نہ کیا ۔ ایک باری تم اپنی صورت آن کے دکھا جاؤ جو تمہارے دیکھے سے میرے برہ کی آگ ٹھنڈی ہو ۔ غرض میرا دکھ درد سب تم پر ظاہر ہے ۔ جو کچھ میں نے کہا ہے سو تم سب کچھ سمجھا کر کہنا اب برہ کی آگ سے مجھے بچا لینا ۔ اے راجہ! مادھونل مجھے اس طرح ملاؤ جس طرح کہ دمینتی راجہ نل سے ملی''۔

یہ احوال سن کر راجہ اپنے سر کو دھن، اس کی بہت سی تسلی کر، اپنے لشکر کو چلنے لگا ۔ تب سکھیوں نے اسیس دی کہ '' ہمیشہ جیتے رہو''۔

۱۸

پھر راجہ گھوڑے پر سوار اپنے لشکر میں آ، ڈیرے داخل ہو، اور سب کو بلا، دربار کر، اس کی برہ کی باتیں کہنے لگا۔ پھر ساری مجلس کے لوگ بھی اپنا اپنا سر دھننے لگے، اور برہ کا دکھ ان سب پر غالب ہوا۔

پھر راجہ نے کہا ''تم سب کوئی اس احوال کو سنو کہ اس زمانے میں ایسی دوستی نہیں ہوتی۔ ان کی تو پریت دونوں جگ نے ھی جانی اور سالہا سال تک رہے گی یہ کہانی۔ کل جگ میں وھی نہیں مرتے جنہوں نے اپنی دیہی برہ کی آگ سے جلائی''۔

جب یہ بات کہہ چکا تو دیوان کو بلا کر کہا ''کوئی اب ایسی بات کرو جس سے ہمیشہ دنیا میں یہ کتھا رہے۔ اور کام سین کے پاس ایسے وکیل کو پان دے کر رخصت کرو جو ذات کا اشراف، خوبصورت، عقل و دانش میں ایک دھیر اور سورما، زبان آور، پنڈت، سبھا چاتُر، ڈھیٹ ہوئے''۔

دیوان نے ایسا ھی آدمی تلاش کر کے حضور میں حاضر کیا۔

تب راجہ نے فرمایا ''کام سین راجہ کو ھماری طرف سے یہ پیغام جا کر دو کہ گاؤں زمین جو کچھ ھم سے مانگو سو تو دیں گے پر کام کندلا کو بھجوا دو۔ بہتر یہ ھے کہ ھماری تمہاری آپس میں دوستی رہے۔ نہیں تو لڑائی کی تیاری کرو۔ میں اسے لڑ کر لوں گا''۔

غرض سری پت راؤ جو ذات کا رگھوبنسی دوت بڑا چاتر تھا اس نے جب یہ سب کچھ سنا حضور سے رخصت ہو کر چلا۔ کتنی ایک دیر میں راجہ کام سین کی ڈیوڑھی پر آن پہنچا۔

تب عرض بیگی نے یہ حضور میں جا کر عرض کیا کہ '' راجہ بیر بکرماجیت کا وکیل حاضر ہے''۔

کہا ''جلدی سے اس دوت کو لاؤ''۔

یہ کہہ کر وہیں چار آدمی اس کے پیشوا لینے کو بھیجے۔

جب وہ حضور میں آیا تو راجہ نے پوچھا کہ ''تیرا کیا نام ہے؟ اور کس راجہ کا بھیجا آیا ہے؟ ''

تب وکیل نے یہ عرض کی کہ '' راجہ بیر بکرما جیت سا کے بندہ تمہاری سرحد میں آ اترا ہے ، اور مجھ کو یہ پیغام دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ہم مادھونل برھمن کے واسطے دیس چھوڑ پردیس میں آئے ہیں۔ گاؤں زمین جو کچھ مانگو سو دیویں۔ پر کام کندلا کو بھجوا دو ''۔

تب راجہ کام سین نے خفا ہو کر کہا ''کوئی ایسی بات بھی دربار میں کہتا ہے؟ جو میں کام کندلا کو بھجوا دوں تو سب راجوں میں بدنام ہوں۔ یہی سب دیس دیس کے راجہ کہیں گے کہ ڈانڈ دے کر اپنا دیس بچایا۔ جب تک میرے دم میں دم ہے تب تک کام کندلا کو نہ دوں گا۔ اگر اسی وقت تیرا راجہ لڑائی کے واسطے چڑھ آوے تو میں بھی لڑنے کو حاضر ہوں ''۔

پھر وکیل نے عرض کی ''اے راجہ ! تھوڑی سی بات کو کیوں بڑھاتا ہے ؟ یہ دیس پتی راجوں کا راجہ اتنی دور سے اس کے واسطے آیا ہے۔ یہ وہ سا کا بند راجہ بکرما جیت ہے جس کو سارے دیس کے راجہ سیس نوائے ڈانڈ دیتے ہیں۔ اور یہ ایسا بڑا راجہ ہے جس کے پرتاپ سے آدمی ، دیو ، دیوتا کانپتے ہیں۔ اس کے ہاتھیوں اور گھوڑوں کے دَل کا جب شمار نہیں پھر آدمیوں کا کیا حساب ہے۔ جس وقت کہ وہ کوچ کرتا ہے آسمان پر گرد چھا جاتی ہے کہ نظر

نہیں آتا ہے۔ پر جنہیں خدا نے بڑا کیا ہے وے راہ میں قدم سمجھ کر رکھتے ہیں، اور دشمن سے بھی نیو۸۹ کر چلتے۔ بات بھی کہتے ہیں تو نرمی سے"۔

یہ سن کر راجہ غصے ہو، تیوری چڑھا، آنکھیں بدل، وکیل سے کہنے لگا کہ "میرا نام کام سین ہے۔ میں سوا خدا کے کسو سے نہیں ڈرتا۔ اٹھ! یہاں سے جا! اور اپنے راجہ سے کہہ کہ اسی وقت چڑھ آوے"۔

تب دوت نے کہا کہ "اے راجہ! اٹھ اور لڑائی کا مستعد ہو۔ جو سور ہیں وے شیر کے میدان میں گونجیں گے اور جو ہرن سے ہیں وے بھاگ جاویں گے"۔

پھر وہاں سے اٹھ اپنے راجہ کے پاس آ عرض کی کہ "میں نے اُسے بہت سمجھایا پر وہ نہ سمجھا۔ سوائے لڑائی کے اور بات نہیں کہتا"۔

تب بکرماجیت بھی طیش سے کہنے لگا "دیکھوں یہ میرے آگے سے کہاں جاتا ہے۔ اب ہماری فوج کے سوار پیادے تیار ہوں۔ کالے بادل سے ہاتھی جنگی کنپٹا مستی سے پٹکتے ہیں اور متوالے سے جھومتے ہیں۔ مانند پہاڑ کے اُن کو آگے رکھو کہ اُن کے چلنے سے زمین ہلے اور دسوں دسا راجہ کانپیں۔ بھورے اور پیلے بیل ایسے رتوں میں جوتو جو چھوٹنے سے مانند شیر کے لگیں"۔

یہ سن دیوان نے بموجب حکم تیار کئے۔

۸۹- نیو کر بمعنی جھک کر۔

۱۹

تب راجہ بھی سوار ہو کام وتی نگر کو چلا۔ نقیب بولتے ہوئے، ڈنکا ہوتا ہوا، رکاب بہ رکاب پرے کے پرے برابر برابر فوجوں کے چلے آتے تھے۔ تمام راجہ اور سردار پرے باندھ باندھ، سلام کر کر اپنے اپنے غول میں شامل ہوتے جاتے تھے۔ کہیں تر ہی پھکتی، کہیں طاشا مرفا بجتا جاتا۔ تمام نشان و بان کے پھر یرے کھلے ہوئے۔ غول کے غول اور دل کے دل چلے آتے تھے۔

یہ شہرہ کام وتی نگر میں پہنچا کہ راجہ بکرماجیت چڑھ آیا۔

اس خبر کے سننے سے تمام شہر میں کھلبلی پڑ گئی۔ پھر اُس کے لوگوں نے گھبرا کر بھاگنے کی تیاری کی۔ یہ احوال شہر کا سن راجہ کام سین نے کہا ''جہاں تلک ہماری فوج ہے سب کی سب تیار ہو آئے''۔

ازبس کہ سبھی لوگ منتظر حکم کے تھے۔ فی الفور تیار ہو گئے۔ ہر چند شیر دبلا، ماڑیا۹۰، کمزور ہو پر جب ہاتھی اُس کے چنگل میں چنگھاڑے تو وہ پیٹھ نہ دے بلکہ سامنا اُس کا کرے۔ غرض راجہ کے رفیق راجپوت چندیلے، بوندیلے، بھگیلے، رگھو بنس، چندر ہنس، پتوار، چوھان اور جتنے بیر سورما منگرے منچلے، راوت مہنت، پنت، ساونت تھے، اپنے اپنے زرہ بکتر، خود، چار آئنے پہن، ہتھیار باندھ، تیار ہو حاضر ہوئے۔ تب راجہ کام سین بھی اپنے بدن پر سلاح آراستہ کر، سوار ہو سب کو ساتھ لے، راجہ بکرماجیت کے مقابلے کو چلا۔ تب رانی اوپر محل کے جا دیکھنے لگی اور سکھی سے

۹۰۔ ماڑیا خراب حال یا بیمار کو کہتے ہیں۔ اردو میں اب استعمال نہیں ہوتا۔ پنجابی میں ابھی تک رائج ہے۔

کہنے لگی ''ساجن رن چڑھے - ہمارے اس سے دل کو بڑی خوشی ہوئی - تو ہاتھ سندھورا لے اور مانگ میں سیندور بھردے - پھر مارو باجا'' -

اور اپنے اپنے دلوں میں سب نے مرنا ٹھانا تھا - غرض ادھر سے کام سین اپنی تیاری سے گیا اور آدھر سے بکرماجیت سامنے ہوا - وہیں دونوں طرف مارو باجا - گھوڑے ھنھنانے لگے اور ہاتھی چنگھاڑیں مارنے ، سورما للکارنے اور کایر ڈرنے - پھر کڑکیت کھڑکا کہنے لگے - اور مضبوطوں کو آمنگ لڑنے کی آنے لگی ، توپیں دغنے لگیں - اگن بان ہر طرف سے چھوٹنے لگے - ہاتھی گھوڑے چونک پڑے - چکر اور تبر چلنے اور تبر سے تبر بھڑنے - گولی چلنے لگی - ہتھنال ، شتر نال چھٹنے لگے- غرض زمین و آسماں دھواں دھار ہو گیا - غلغلہ اور شور جنگ کا عرش تلک پہنچا - دیر تک اسی طرح لڑائی جمی رہی - نداں ارادہ سورماؤں کا یہ ہوا کہ ہلّا کریں -

تب آپس میں کہنے لگے کہ ''تلوار چلے تو معلوم ہو کس کی فتح ہوئی اور کس کی شکست کہ اتنے میں ہلا ہوا - راوت پر راوت آیا - سوار سے سوار بھڑا - پیادے سے پیادہ لڑا - کمیت سے کمیت جُتا اور ہاتھی سے ہاتھی نے دانت ملائے - تلوار چلنے لگی - آدی کھیرے ککڑی کی طرح کٹنے لگے - لوہے سے لوہا بجنے لگا - برچھی پر برچھی چلنے لگی اور تیر گولے کی بوچھاڑ پڑنے لگی - سچ یہ ہے کہ سور بیر انھیں کہتے ہیں جو تلوار کی آنچ میں جم کر کھڑے رہیں - ایک سے ایک سامنے ہو رہا تھا - ایک دوسرے کو مار پاؤں سے ٹال رہا تھا - جوں جوں کڑکیت[۹۱] تعریف کرتے تھے توں توں سورما للکار بڑھ بڑھ کے تلواریں مارتے تھے - سر جو کٹتا تھا ، دھڑ لڑتا تھا اور کسی کا دھڑ زمین پر گر مار مار پکارتا تھا - اور مہادیو آن کے سروں

۹۱- کڑکیت بمعنی بھاٹ -

کی چن چن کر مالا بناتے تھے ۔ غرض ہر طرف لوتھوں کے ڈھیر تھے ۔ لہو کے نالے پر نالے بہہ رہے تھے ۔ جو بڑے بڑے سورما تھے تلواریں پھینک پھینک باھمد گر کمریں پکڑ پکڑ کر چھری کٹاری سے لڑتے تھے ۔ جو جسے پکڑتا تھا وہ اُسے نہ چھوڑتا ۔ لوتھ پر لوتھ پڑ گئی ۔ پھر تو دونوں طرف سے مست ھاتھیوں کی فوج کی طرف پیل دیا ۔ تب جو جو اچھے راوت تھے اُنھوں نے مارے تلواروں کے اُن کو تمام کیا ۔ سونڈیں اور دانت کاٹ کاٹ کر گرا دئیے ۔ عجب صورتیں اُن کی ڈرانی ہو گئیں ۔ سونڈیں یوں معلوم ھوتی تھیں گویا کہ آسمان سے سانپ برسے ھیں اور ھاتھی ایسے پڑے تھے جیسے پہاڑ سے خون کا ایک دریا بہہ رہا تھا کہ بھوت مسان جوگنی بھیروں اُس میں آن آن نہاتے تھے اور لوتھوں کو اُٹھا اُٹھا خوش ھو ھو کھاتے ۔ گدھ آ آ نوچتے ۔ گیدڑ چباتے ۔ کوّے آنکھیں نکال نکال کھاتے ۔ جب لہو گھاؤں سے بھبھکتا تو چھوڑ بھاگتے اور پھر آن کر کھاتے ۔ ایسے سور بیر پرایا دکھ دور کرنے کو، لڑائی کے لڑنے کو، منہ پر گھاؤ سہنے کو ، برے وقت خاوند کی رفاقت کرنے کو خدا نے چھتری پیدا کئے ھیں ۔

۲۰

غرض اس طرح کا چار دن گھمسان رہا - دونو طرف کے لوگ بہت سے جوجھے۹۲ مگر کچھ لوگ راجہ بکرماجیت کے بچے، اور کام سین کے ساتھ والے سب مارے گئے - لاکن جو اُن میں مضبوطی سے مارے گئے اُن کے واسطے تخت آئے، اور اُن پر سوار ہو ہو کر سورج لوک کو گئے- جو اپنے آقا کے کام پر لڑائی میں مارے جاتے ہیں اُن کی شادی سورج لوک میں حوروں کے ساتھ ہوتی ہے - جو سورما رن میں سن مکھ ہو کر لڑتے ہیں اگر وے مارے جاتے ہیں تو وہاں عیش کرتے ہیں- اگر جیتے رہتے ہیں تو یہاں مزے اُٹھاتے ہیں- اُن کا دونوں جہاں میں بھلا ہوتا ہے -

جب کام سین لڑائی ہارا تب اپنے جی میں کہنے لگا "اب کس طرح سے ملوں اور صلح کروں" - ندان یہ بات دل میں ٹھہرا، ہتھیار کھول، ہاتھ باندھ، راجہ بکرماجیت کے روبرو آیا اور سلام کیا - تب راجہ نے بہت سی دلداری کی اور راجہ کام سین کا ہاتھ پکڑ کر کام وتی نگری کو لے چلا - غرض جب کہ نگری میں پہنچے، کام سین نے کام کندلا کو بلوا، راجہ بکرماجیت کے حوالے کیا -

پھر راجہ نے کام کندلا مادھو کو بخش دی - پھر اُن دونوں کو عجب طرح کی خوشی و خرمی حاصل ہوئی کہ جس کا بیان نہیں کیا جاتا - شب فراق گئی اور صبح وصال آئی - ایسے ملے جیسے صبح کے وقت چکوا چکوی -

---

۹۲- جو جھے کا مطلب ہے کام آئے -

چند روز کے بعد آجین کو کوچ کیا - اور آن دونوں کو ساتھ لیا - کوچ بہ کوچ چلے جاتے تھے - آخر کتنے دنوں میں آجین میں داخل ہوئے - پھر رانی کو اور تمام شہر کے لوگوں کو بڑی خوشی حاصل ہوئی - شادیانے بجنے لگے اور جا بہ جا ناچ راگ ہونے لگا -

کام کندلا اور مادھونل اخلاص پیار سے آپس میں رہنے لگے اور راجہ کو دعائیں دینے - دوھرا ؎

اپنا سکھ تج دکھ سہے پر دکھ کھنڈن جائے
اور نباهت ایک سم دلہن سک بندھی رائے۹۳

الحمد وللہ کہ یہ رنگین دلچسپ داستان تاریخ دسویں ذیقعدہ کی

۱۲۱۵ ۱۸۰۱
سنہ بارہ سو پندرہ هجری مطابق سنہ اٹھارہ سو ایک عیسوی میں مع دو تاریخ هجری و عیسوی کے تمام ہوئی - ابیات ؎

جو کہتے ہوں باتیں بتا عشق کی تو سنئے کہانی ذرا عشق کی
ہے رنگین و مطبوع و دلکش تمام لکھی داستاں یہ ولا عشق کی
کہ تاریخ یہ ہے ز روئے بیاں کہی من لگن سب کتھا عشق کی
ردیف و قوافی بدل اور بھی ولا کہہ یہ آئی ندا عشق کی
سنہ عیسوی کے مطابق تمام جو اعداد تاریخ چاہے تمام
سر جہل کر دور اور دیکھ لے فسانہ ہے یکسر عجیب و غریب

۹۳- مطلب ہے اپنا سکھ تج کر دکھ برداشت کیا دوسروں کا دکھ دور کرنے کے لئے - اور نباها ایک طرح دلہن اور ساکے بند راجہ کے ساتھ -

[م جھ رل]

فورٹ ولیم کالج کے مشہور مصنف اور آرائش محفل
اور توتا کہانی کے نامور مولف

سید حیدر بخش حیدری دہلوی

کی ڈیڑھ سو سے زیادہ

مختصر کہانیاں

جن کو

ڈاکٹر عبادت بریلوی

استاد شعبۂ اردو لندن یونیورسٹی

نے انگلستان کے مختلف کتب خانوں میں بڑی جان فشانی سے تلاش کر کے حد درجہ عرق ریزی سے مرتب کیا اور اُن پر ایک مفصل مقدمہ بھی لکھا۔ یہ دلچسپ کہانیاں اردو میں مختصر افسانے کے قدیم ترین نمونے ہونے کی حیثیت سے اس فن کی روایت میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

•

سیاحت نامہ

(اردو کی پہلی ڈائری)

آخری تاجدار ہندوستان ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے سفیر خاص متعینہ انگلستان ۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۲ء

نواب کریم خاں

کی نایاب ڈائری جس میں اُن کے سفر کی تفصیل اور قیام لندن کے حالات ہیں۔ انسویں صدی کے انگلستان اور ہندوستان کے سیاسی' معاشرتی اور تہذیبی حالات کی جیتی جاگتی تصویر۔ اردو نثر کی ایک اہم کتاب!

ترتیب و مقدمہ

ڈاکٹر عبادت بریلوی